

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۷	رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء	شمارہ: ۲

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.**:** 2133/57
Vol. No. 107, Issue No. 2, February 2023 फरवरी 2023
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

محمد سلمان بجنوری

ماہ نامہ دارالعلوم کے صفحات پر عام طور سے، دیگر اداروں یا ملّی تنظیموں (بشمول جمعیۃ علماء ہند) کی سرگرمیوں کا تذکرہ نہیں ہوتا؛ لیکن جمعیۃ علماء ہند کے حالیہ اجلاس عام منعقدہ ۱۰،۱۱رفروری ۲۰۲۳ء کی آخری عمومی نشست میں امیر الہند حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کے خطاب نے جو تحریک پیدا کی، اس کا تقاضا ہے کہ اس کا مختصر ہی سہی، تذکرہ کیا جائے۔

یوں تو اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کا پیغام بھی بہت اہمیت کے ساتھ سنا گیا تھا اور اس کو میڈیا میں بھرپور کورَیج ملی تھی؛ کیوں کہ اس میں ملک وملت کو درپیش مسائل کے بارے میں دوٹوک باتیں کی گئی تھیں اور اُس میں وہ مضمون یا پیغام بھی اجمالی طور پر آگیا تھا جو حضرت مولانا مدظلہم کے خطاب کا خلاصہ تھا؛ لیکن حضرت کے خطاب میں جس صراحت وقوت کے ساتھ ایک مخصوص انداز سے یہ پیغام دیا گیا اس نے نہ صرف ملکی وعالمی میڈیا میں ارتعاش پیدا کردیا؛ بلکہ کروڑوں لوگوں تک توحید کا پیغام اس انداز سے پہنچادیا جس طرح اب تک یہ پیغام نہیں پہنچا تھا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو اس خطاب پر موافق ومخالف ردعمل کا بازار گرم ہے دوسری طرف بے شمار لوگوں نے اس کی برکت سے سوچنے کا ایک رُخ پایا ہے اور وہ اس موضوع پر مزید مطالعہ وتحقیق میں لگ گئے ہیں۔ اس صورت حال میں ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے مثبت پہلوؤں کو طاقت ور بنائیں اور اس خطاب کے ذریعہ جو توحید کی صدا لگائی گئی ہے، اُس پیغام کو عام کریں، خاص طور پر علماء کرام سے گزارش ہے کہ اس موضوع پر مزید مطالعہ ومحنت کے ذریعہ دعوت کی اس فضا سے فائدہ اٹھائیں اور نغمۂ توحید سے اس چمن کو معمور کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

❋ ❋ ❋

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت

از: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

''میڈیکل انشورنس'' کا ترجمہ ہے: طبی یقین دہانی، انشورنس کو ہندی میں ''بیمہ'' بھی کہتے ہیں تو ترجمہ ہوگا ''طبی بیمہ''۔ عام آدمی اور انشورنس کمپنی کے درمیان نامعلوم نقصان کے واقع ہونے پر ایک مقررہ رقم ادا کرنے کی وجہ سے نقصان کی تلافی کا معاہدہ ہوتا ہے، مقررہ رقم یک مشت یا قسطوں پر ادا کی جاتی ہے اس کو پریمیم کہتے ہیں۔ (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ۴/۴۵۶ لاہور)

سمندری سفر میں تجار آپس میں اس عنوان سے رقم جمع کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس میں سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی، اس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔ زندگی، املاک، اعضاء، قیمتی دستاویز، اسناد اور ذمہ داریوں کا انشورنس ہوتا ہے، یہاں طبی انشورنس سے متعلق گفتگو ہے۔

آج کل ایک طرف بیماریوں کی کثرت ہے دوسری طرف علاج مہنگے ہورہے ہیں، ہر آدمی کے لیے اخراجات کا تحمل ناقابل برداشت ہے۔ خصوصاً اعضائے رئیسہ کی بیماری اور کینسر وغیرہ میں اخراجات کا تحمل ناقابل بیان حد تک ہوتا ہے؛ اس لیے میڈیکل انشورنس کا رواج ہورہا ہے؛ مگر دنیا میں ''سرمایہ دارانہ نظام'' کا راج ہے، اقتصاد کی ہر صورت پر سود کی نوعیت کا بول بالا ہے، سوچنے والے سودی نقطۂ نظر سے ہی سوچتے ہیں۔ سودی شکلیں ہی سامنے آتی ہیں؛ چاہے اس میں بہ ظاہر تعاون کا پہلو بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انشورنس کی شکلوں میں شاید و باید ہی کوئی شکل ایسی ہوتی ہے، جس پر سود یا جوئے کا یا ان دونوں کا اطلاق نہ ہوتا ہو؛ میڈیکل انشورنس میں بھی یہی علت موجود ہے؛ اس لیے عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اگر محدود مدت کے اندر بیماری پیش آئے تو سود کے ساتھ رقم ملتی ہے اور بیماری پیش نہ آئے تو جمع رقم واپس نہیں کی جاتی اور اس

طرح اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے۔

میڈیکل انشورنس کا حل یہ نہیں ہے کہ رائج صورتوں میں حلال کی نشاندہی کی جائے، یا حیلوں کے ذریعے حرام کو اپنایا جائے؛ بلکہ اہل علم، زعمائے ملت اور اہلِ خیر حضرات کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس کی متبادل شکل تلاشنی چاہیے، ملی تنظیموں کے ذریعہ اس کا متبادل تیار کرنا مشکل نہیں، جنوبی ہند میں بعض غیر مسلم پیشواؤں نے مفت طبی ادارے قائم کرر کھے ہیں اور وہ بلافرق مذاہب ہر ایک کا علاج مفت کرتے ہیں؛ جب کہ اُن کے مذہب میں آخرت کا تصور بالکل دھندلا اور سراب کی مانند ہے، پھر بھی وہ اپنے مذہب کے اہلِ ثروت سے تعاون حاصل کر کے بڑے اخراجات والے ادارے چلاتے ہیں، مسلمانوں کے یہاں آخرت کا تصور ہے، ان میں خرچ کرنے کا جذبہ ہے اور مجبور ولاچار کی امداد کرنے کا قابلِ فخر حوصلہ ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ ہو جو ضرورت مندوں کو بالکل مفت ان امراض کا علاج فراہم کرے اور مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانے کا انتظام کرے۔ آخر مذہبی ضرورت کی تکمیل کے لیے دینی مدارس بالکل مفت تعلیم فراہم کررہے ہیں یا نہیں؟ ملی تنظیمیں ملت کے لیے کثیر رقم خرچ کر کے اُن کے مفاد کے کام کررہی ہیں یا نہیں؟ اگر سوچا جائے تو انشورنس کا متبادل سامنے آسکتا ہے۔ کام مشکل ضرور ہے؛ مگر ناممکن نہیں۔

حکومت سے درخواست

اگر ممکن ہو تو حکومتِ ہند سے یہ درخواست کرنے کے سلسلے میں بھی سوچا جائے کہ پریمیم کی رقم لیے بغیر حکومت عوام کا تعاون کرے، اس صورت میں اگر تعاون کی مقدار کم ہو تب بھی کوئی حرج نہیں، حلال کے دائرے میں بات رہے گی۔

باہمی تعاون کی شکل

ایسا بھی ممکن ہے کہ نام زد مسلمانان اکٹھے ہوں اور طبی تعاون کے عنوان سے رقم اکٹھا کریں اور یہ طے ہو کہ جتنے لوگ جمع کررہے ہیں اُن کا علاج اسی جمع شدہ رقم سے کی جائے گی، چاہے رقم جتنی بھی خرچ ہو۔

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت

میڈیکل انشورنس میں چوں کہ سود اور جوا دونوں ہیں؛ اس لیے عام حالات میں اس سے استفادہ

ناجائز ہے، اس میں جمع شدہ قسطوں سے زیادہ سے بھی انتفاع ہوتا ہے جو سود ہے اور مقررہ مدت میں بیمار نہ ہونے کی صورت میں رقم واپس نہیں ملتی؛ اس لیے جوا ہے اس میں تملیک علی الخطر کا پہلو غالب ہے۔ تعاون کا پہلو غیر سرکاری کمپنیوں میں بالکل نہیں ہے اور سرکاری میں کچھ ہے؛ مگر ابتدائی طور پر جمع شدہ پریمیم کی وجہ سے وہ بھی سود کے دائرے میں آتا ہے؛ اس لیے ناجائز تعاون ہے۔

قانوانی مجبوری میں میڈیکل انشورنس

اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے میڈیکل انشورنس کرانا پڑ رہا ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر بہ قدر مجبوری ہی۔ الاشباہ والنظائر میں قاعدہ ہے: مَا أُبِيحَ لِلضَّرورةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِها.

یعنی: جو چیز مجبوری کی وجہ سے جواز کے دائرے میں لائی جاتی ہے وہ اسی مجبوری کی حد میں محدود مانی جاتی ہے۔

اور اگر شرط پائے جانے کی صورت میں انتفاع کی نوبت آئے تو وہ شخص جو مجبور ہے، اس کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اور جو لوگ صاحبِ استطاعت ہیں اُن کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں (فتاویٰ عثمانی ۳/۳۱۴) اور اگر استفادہ کرلیا تو اتنی رقم کا صدقہ کرنا بلا نیتِ ثواب ضروری ہوگا۔

انشورنس کمپنی علاج کا خرچہ ہسپتال کو دے یا بیمار کو

بعض مرتبہ بیماری پیش آنے پر علاج کا خرچہ ''میڈیکل انشورنس کمپنی'' بہ راہِ راست متعینہ ہسپتال کو دیتی ہے، انشورنس کرانے والے مریض کے ہاتھ میں نہیں دیتی، یہ صورت بھی جائز نہیں؛ اس لیے کہ ہسپتال کا قبضہ کرنا مریض کے قبضہ کرنے کے حکم میں ہے، گویا ہسپتال مریض کا وکیل ہے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ کہلاتا ہے۔

اور اگر بہ راہِ راست مریض کو دیتی ہے تب بھی ناجائز ہے، یعنی اگر مریض صاحبِ استطاعت ہے تو اس اضافی رقم کو لینا جائز نہیں، صرف اتنی رقم لے سکتا ہے جو اس نے جمع کی ہے۔

اگر ملازم پر انشورنس کرانا لازم ہو

بعض ممالک میں ملازم کے لیے میڈیکل انشورنس لازم ہے؛ مگر پریمیم کی رقم کبھی تو ملازم کی

تنخواہ سے کٹتی ہے اور کبھی کمپنیاں اپنی طرف سے پریمیم جمع کرتی ہیں تو دونوں صورتوں کا حکم الگ ہوگا۔ یعنی اگر ملازم کی تنخواہ سے اس کی مرضی کے مطابق کٹتی ہے تو اس پر سود کی تعریف صادق آئے گی اور انتفاع ناجائز ہوگا اور کمپنی کے ادا کرنے کی صورت میں اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آئے گی؛ اس لیے ملازم کے لیے استفادہ جائز ہوگا۔

ہسپتالوں کا میڈیکل پیکیج

آج کل بعض ہسپتالوں کی طرف سے متعینہ مدت کے لیے میڈیکل پیکیج جاری کیے جاتے ہیں اوراس پیکیج کو قبول کرنے والے لوگ متعینہ رقم ادا کرتے ہیں، کبھی قسط وار کبھی یک مشت، اگر آدمی بیمار ہوا تو اس کے جملہ طبی اخراجات ہسپتال برداشت کرتا ہے اور اگر بیمار نہیں ہوا تو وہ رقم ڈوب جاتی ہے، واپس نہیں ملتی۔ مذکورہ بالا صورت بھی سود اور جوے کی ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔

حکومت کی طرف سے غریبوں کے لیے میڈیکل انشورنس

آج کل حکومتیں غریبوں سے معمولی رقم لے کر اُن کا میڈیکل انشورنس کراتی ہیں اور اُن کو ایک کارڈ دیتی ہیں، جس کے ذریعے متعین ڈاکٹروں کے یہاں اور متعین اسپتالوں میں علاج کرانے کے حق دار وہ ہوتے ہیں۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ غریب اور فقیر کے لیے تو شریعت نے بہت سی گنجائشیں رکھی ہیں؛ اس لیے اس کے جواز میں شبہ نہیں؛ جب کہ علاج فقیر کے بس سے واقعی باہر ہو۔



رسالہ ''القاسم'' ''الرشید'' اور ''ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند''

ایک تعارف

از: مولوی محمد شاہد اختر کھرساوی قاسمی

دارالعلوم دیوبند

ہندوستان میں جب انگریزوں نے اپنے ناپاک قدم رکھے، اور ملک کے طول وعرض میں اپنی حکومت قائم کرکے مختلف مذاہب کے ماننے والی اقوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تو ایسے نازک اور پرآشوب دور میں متعدد رسائل وجرائد اخبارِ صحافت کے افق پر نمودار ہوئے اور ہندوستان میں بسنے والی قوموں کو غلامی کی زنجیروں سے آگاہ کرکے آزادی کا درد ان کے قلوب میں بھر دیا اور لوگوں کو دورِ غلامی جیسے ناپاک ظلم اور شکنجہ سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک ہتھیار مل گیا اور لوگ کثیر تعداد میں ان اخبار ورسائل سے لطف اندوز ہوتے رہے، بہت سے رسائل تو ایسے تھے کہ جس سے لوگ ایک زمانے تک علوم ومعارف کی پیاس بجھاتے رہے اور بہت سے رسائل ایسے ہیں کہ جس سے اب تک سیراب ہو رہے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ناسازگار حالات کی وجہ سے لوگ قلیل مدت تک ہی فائدہ اٹھا پائے؛ لیکن میدانِ صحافت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

استخلاصِ وطن کے زمانہ میں نکلنے والے اکثر رسالوں کے نام ونشان لوگوں کے ذہن وقلوب سے مٹ چکے ہیں لوگوں کی زبانیں ان رسائل کے تذکرے سے گونگی اور عاجز وقاصر ہیں، ان رسائل کے تذکرہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ آگ کی راکھ اور غبار کی طرح پھینک دیا، چاہیے تھا کہ ان رسائل وجرائد کی خدمات اور قربانیوں کو سراہتے ہوئے بطورِ عظمت اپنے دلوں میں جگہ دیتے؛ لیکن ہوا یہ کہ ان کے لیے اوراق پارینہ میں بھی جگہ نہ دی جاسکی، جب کہ ان رسائل نے آزادی کی جدوجہد

میں نمایاں کردار ادا کیا، اور نسل نو ان رسائل سے بالکل ناواقف ہوکر رہ گئی، ان ہی رسائل میں سے دارالعلوم دیوبند سے نکلنے والا ایک باوقار علمی وتحقیقی اور ادبی رسالہ ''ماہ نامہ دارالعلوم'' بھی ہے۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کے مقاصد تاسیس جوکہ اس کے قدیم دستور اساسی میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں کا تیسرا نمبر یوں درج ہے: ''اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ ودفاع اور اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ سے خیر القرون اور سلفِ صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا''

اس دستور کی روشنی میں اسلام کی تحریری خدمت انجام دینا اس ادارہ کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، گذشتہ ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں اس ادارہ نے تحریر وصحافت کے ذریعہ اپنے بنیادی مقاصد کی تکمیل کس انداز سے کی ہے، یہ تاریخ کا ایک روشن باب اور مستقل موضوع ہے، تحریر کے ذریعہ سے اسلام کی خدمت انجام دینے کا جہاں تک تعلق ہے، اس کے دو جز ہیں ایک تصنیف وتالیف دوسرے تحریر وصحافت، اس وقت تصنیف وتالیف کی راہ سے انجام پانے والی خدمات کا تعارف مقصود نہیں، پھر تحریر وصحافت کے ذریعہ سے انجام دی جانے والی خدمات کے بھی دو جز ہیں۔: ایک تو براہِ راست دارالعلوم دیوبند کی خدمات دوسرے فرزندانِ دارالعلوم کی خدمات، مؤخر الذکر موضوع طویل تاریخ کا موضوع بھی ہے اور اس کے لیے سیکڑوں صفحات درکار ہیں، تحریر وصحافت کے ذریعہ سے دارالعلوم دیوبند کی خدمات اس صورت کی اہمیت وفضیلت، اسلامی تعلیمات قرآن وحدیث کی روشنی میں اور صحیح مسلک کی اشاعت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا، براہ راست دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے رسائل وجرائد پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔(ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۳،۴)

چنانچہ اس سلسلہ کا باضابطہ آغاز فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ادارت میں (حیات عثمانی ص:۱۸۴) ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء کو ''رسالہ القاسم'' سے ہوا، نائب مدیر حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ سابق محدث دارالعلوم دیوبند، جب کہ سرپرست حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ پھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ قرار پائے ان کے بعد حضرت مولانا مفتی احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ اور ابن القاسم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے بھی رسالے کی سرپرستی فرمائی، رسالے کے اجرا کے تین سال کے بعد حضرت مولانا سراج احمد رشیدیؒ استاذ دارالعلوم دیوبند کو رسالہ

کا نائب مدیر مقرر کیا گیا؛ کیوں کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ اپنے تدریسی مشاغل اور دیگر مصروفیات کی بنا پر مدیر کے فرائض انجام دینے سے معذرت کر لی تھی، درمیان میں دوسال ۳۵،۱۳۳۴ھ/ ۱۷،۱۹۱۶ء ادیب زماں حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی ''القاسم'' اور''الرشید'' کے معاون مدیر رہے، اور اس پرچے کا حجم ۳۲،صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ (دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظرنامہ ص:۱۰۵/۱۰۶)

رسالہ''القاسم'' کے پہلے شمارہ میں فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ رسالہ ''القاسم'' کے مقاصد اجرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے''ضرورت ہی کیا تھی'' عنوان کے تحت فرمایا: ''یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن کچھ ضرورتیں دینی، مذہبی، اور تمدنی ایسی بھی تھیں، جن کو خیال کرتے ہوئے نہ صرف مستحسن بلکہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے تدین وتمدن میں عام غلط فہمی وگمراہی سے بچانے سیدھی اور سچی راہ چلانے ،اسلام کے اصلی ذائقہ سے واقف کرنے ،قوتِ روحانی کو ترقی دینے کے لیے ایسا سامان کر دیا جائے، جو ان کے لیے سچا رہنما، افراط وتفریط میں مبتلا ہونے سے بچانے والا ہو''(رسالہ القاسم نمونہ واشتہار، ۱۳۲۸ھ بہ موقع جلسہ دستار بندی بحوالہ القاسم ۱۳۲۸ھ شعبان/شمارہ:۱/ص:۲)

دوسری جگہ بھی حضرت مولاناؒ نے اس رسالہ کے مقصد ان الفاظ میں بیان کیے ہیں،اس رسالہ کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے مذہبی، علمی اور تاریخی معلومات کا صحیح محققانہ ذخیرہ بہم پہنچانا اور نرم ومتانت کے لہجے میں غلط خیالات (جو کہ بہ وجہِ لاعلمی ذہن نشیں ہو گئے ہیں) کو مٹانا (القاسم ۱۳۲۸ھ شعبان/شمارہ:۱/ص:۱)

اور اس رسالہ میں علمی مضامین، اسلامی اصول، مسائل ونصائح، بزرگوں کے صحیح اور سچے تاریخی حالات وعقائد کا بیان ہوگا اور اس کے مقاصد واغراض سب مذہبی اور دینی ہوں گے پوٹیکل امور اور اس قسم کے مباحث سے ہرگز کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا، (روداد مدرسہ اسلامیہ دیوبند ۱۳۲۷ھ و۱۳۲۸ھ سرورق)

حضرت مولانا کی تحریر دینی رسائل وجرائد کی اہمیت پر مضبوط دلیل ہے اور مقاصد پر بھی بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی پڑتی ہے، رسالہ کی پوزیشن ابتدائی زمانہ میں ایسی نہیں تھی کہ اس کے لیے باضابطہ ملازم رکھا جاتا یہی وجہ تھی کہ ایک ہی شخص جو رسالہ کا مدیر بھی تھا اور دارالعلوم دیوبند کا مدرس ونائب مہتمم بھی اور یہی حال نائب مدیر کا بھی تھا اس کے ذمے رسالہ کی ترتیب اور اس کی کتابت

وطباعت اور ترسیل بھی تھی ساتھ ہی تدریسی مصروفیات بھی نیز بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسالے کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی آخر کار ان ہی وجوہ کی بنا پر گیارہ سال کے بعد ''القاسم'' کی اشاعت موقوف ہوگئی، جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ کو مارچ ۱۹۲۰ء کا آخری شمارہ تھا، پھر چار سال کا عرصہ گذرنے کے بعد محرم الحرام ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء کو اس رسالہ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، اس وقت بھی مدیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ ہی رہے؛ البتہ نائب مدیر کی ذمہ داری ابن احمد حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب کے کاندھو پر ڈالی گئی، اور معاون مدیر عتیق احمد صدیقی اور سرپرست حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ وعلامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ رہے اس دور کے مشمولات کی نوعیت بھی وہی تھی جو ''القاسم'' کے دور اول کی تھی؛ البتہ کچھ اصول وضوابط اور ضروری جزوی ترمیمات کی گئی تھیں (دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظر نامہ ص:۱۱۱/۱۱۲)

دارالعلوم کو ابتدائی مصارف سے بچانے کے لیے شروع کے دوتین سال تک اس پرچہ کے مصارف حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ ہی برداشت کرتے رہے، پھر ۱۳۳۱ھ میں اس رسالہ کے مصارف کا تعلق بھی دارالعلوم دیوبند سے ملحق ہوگیا (رسالہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۴/۶)

اس کے ایک سال بعد ہی دوسرا رسالہ ''الرشید'' کے نام سے فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ ہی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ''القاسم'' اور ''الرشید'' دونوں رسائل میں وقت کے مستند اکابر:

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا سید اصغر حسین میاںؒ
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ
حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ
حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ

مستقل مضمون نگاروں میں شامل تھے، بعض شماروں میں شیخ الہندؒ کے بھی افادات ملتے ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جن کے مضامین برابر شائع ہوتے رہے۔ (دارالعلوم دیوبند کا

صحافتی منظر نامہ ص:۱۰۹/ تاریخ دیوبند، ص:۲۵۲ / سید محبوب رضوی)

ان دونوں رسالوں نے اپنے علمی و تحقیقی مضامین ومقالات سے علمی دنیا میں بڑا انقلاب برپا کیا اور مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ سے روشناس کرانے اور علومِ اکابر سے استفادہ کرانے اور معلومات کے ذخائر لوگوں تک بہم پہونچانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ ص:۱۹۵)

تقدیر کا فیصلہ کہ ''القاسم'' کا دورِاول (از ۱۳۲۸ھ تا جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۰ء تا مارچ ۱۹۲۰ء) اور دورِثانی (محرم الحرام ۱۳۴۴ھ تا ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۸ء) اور ''الرشید'' (از ۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۹ھ) کا سلسلہ مختصر مدت تک جاری رہنے کے بعد موقوف ہوگیا، اس کے بعد سے ۲۰/سال تک دارالعلوم کی اپنی ذمہ دارانہ نگرانی میں کوئی رسالہ نہ نکل سکا، حالانکہ دارالعلوم دیوبند کی ۲۰/سال طویل مدت میں دارالعلوم کے مخلصین ومحبین اور متوسلین کی طرف سے برابر ایک رسالہ کے اجراء پر اصرار کیا جاتا رہا، خود اربابِ حل وعقد کو بھی اس ضروریات کا احساس رہا؛ لیکن مخلصین کے اصرار اور اربابِ انتظام کے احساس کے باوجود اس ضرورت کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا اور یوں ہی ۲۰/سال کا عرصہ تشنۂ تکمیل میں گذر گیا؛ لیکن جب اہل انتظام کو اس کی اشد ضرورت پڑی تو بالآخر جمادی الاول ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں ''ماہ نامہ دارالعلوم'' کے نام سے ایک نئے رسالہ کا سلسلہ شروع کیا (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ ص:۲/ ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۶ دارلعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ ص:۱۹۶)

رسالہ کا اجراء ایسے نامساعد حالات میں ہوا جب کہ نہ صرف ملک کی اقتصادی پریشان حالی ترقی پذیر افلاس اور حد درجہ گرانی کی وجہ سے وہ صحائف اور جرائد جو سالہا سال سے اپنی بنیادیں مضبوط بنانے میں مصروف تھے یا تو بالکل بند ہوگئے یا انھیں اپنا معیار اتنا پست کرنا پڑا کہ وہ کالعدم ہوگئے؛ لیکن ذمہ دارانِ دارالعلوم کی اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے یہ رسالہ بلند مقام حاصل کرنے میں کامیاب رہا، رسالہ دارالعلوم خالص ایک اسلامی اور مذہبی رسالہ ہے، جس کے مقاصد ۱۳۶۰ھ /۱۹۴۱ء کے ''ماہ نامہ دارالعلوم'' کے پہلے صفحہ پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

(۱) تعلیمات اسلام کو سہل ودل نشیں پیرایہ میں پیش کرکے مسلمانوں میں صحیح مذہبی ذہنیت پیدا کرنا۔

(۲) اسلام کے قدیم وجدید مخالفوں کے حملوں کی بطریقِ احسن مدافعت کرنا۔

(۳) دقیق علمی مسائل کے متعلق علمائے دیوبند کے محققانہ مقالات پیش کرنا۔

(۴) حالات دارالعلوم سے معاونین متوسلینِ دارالعلوم کو باخبر کرنا۔

یہ رسالہ حکیم الاسلام حضرت مولانا وقاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں قضیۂ نامرضیہ کے پیش آنے تک نکلتا رہا، صفحات ''دارالعلوم'' کی زینت بننے کے لیے جن بزرگوں نے دارالعلوم کی قلمی سرپرستی کا وعدہ فرمایا تھا، ان میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(۲) سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ

(۳) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

(۴) حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ

(۵) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

(۶) حضرت مفتی شفیع دیوبندیؒ

(۷) حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

(۸) حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ

(۹) حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ

(۱۰) حضرت مولانا یوسف بنوریؒ

(۱۱) حضرت مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ

(۱۲) حضرت مولانا اصغر حسینؒ (پرنسپل شمس الہدیٰ کالج پٹنہ)

ان حضرات کے علاوہ دوسرے ذمہ داران اصحابِ علم وقلم مثلاً حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی، حضرت مولانا منظور نعمانی، مولانا عبدالحق مدنی رحمہم اللہ وغیرہم کے مضامین بھی برابر شائع ہوتے رہے (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ ص:۵۰/۵۱)

چنانچہ رسالہ کی ایک ایک سطر علمی نکات سے عبارت ہے، یہ رسالہ ہمیشہ عمدہ اور متنوع مضامین کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب کے اصلاحی اسفار زائرین کی آمد ورفت کی تفصیلات مجلس شوری وعاملہ کی کارروائیاں اور دارالعلوم کے پیش آمدہ حالات ومسائل اور حوادث سے بہی خواہاں دارالعلوم دیوبند کو آگاہ کرتا رہا، جیسا کہ رسالہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے، قضیۂ نامرضیہ کے بعد یہ رسالہ

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں نکلتا رہا، رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ/ جون ۱۹۸۳ء سے جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ/ فروری ۱۹۸۵ء تک مجلس ادارت میں حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے نام مندرج ہیں، اور اب یہ رسالہ استاذ گرامی قدر حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں نکل رہا ہے۔

ماہ نامہ دارالعلوم کی عہد ادارت بحیثیت مدیران

ماہ نامہ دارالعلوم کے عہد ادارت بحیثیت مدیران کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں، ماہ نامہ دارالعلوم کی سب سے پہلے ادارت کی ذمہ داری حضرت مولانا عبدالوحید صدیقی غازی پوریؒ کے حوالے ہوئی جن کی شہرت بعد میں ''نئی دنیا'' کے بانی ومدیر کی حیثیت سے ہوئی (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۷)

ان کی ادارت میں ماہِ صفر المظفر ۱۳۶۱ھ میں ماہ نامہ دارالعلوم کا ایک مخصوص نمبر ''سال نامہ'' کے نام سے شائع ہوا، یہ خاص نمبر بیش قیمتی علمی مضامین کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے اہم کوائف اور ۱۳۶۰ھ کے حسابی گوشواروں اور نتائج امتحانات سالانہ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق فہرست اسمار ممبران شوری مدرسین وملازمین وغیرہ پر مشتمل تھا، سال نامہ نمبر تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھا (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۶۰ھ ذی قعدہ/ص:۲۹)

ان کی کل ادارت چار سال دو مہینے ہیں یعنی جمادی الاول ۱۳۶۰ھ سے جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ / جون ۱۹۴۵ء تک بحیثیت مدیر رہے، اس کے بعد ۱۳۶۴ھ رجب المرجب تا ذی الحجہ/ ۱۹۴۵ء جولائی تا دسمبر مکمل چھ مہینے تک رسالہ معرضِ التوا میں رہا؛ کیوں کہ رجب المرجب کی ابتدا میں کچھ تو دشواریاں پیش آئیں، اس کے بعد کتابت رسالہ کا بروقت انتظام بھی نہ ہوسکا، مزید یہ کہ حضرت مولانا عبدالوحیدؒ صدیقی مدیر رسالہ چھ ماہ کی طویل رخصت پر دیوبند سے باہر تشریف لے گئے اور یہ کہ مولانا کی درخواست کے مطابق یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں رسالہ پر بحیثیت مدیران کا نام شائع کیا جائے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ طابع وناشر کے نام کی تبدیلی کے متعلق درخواست جناب کلکٹر وڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع سہارن پور کی خدمت میں پیش کی جائے؛ لیکن کسی وجہ سے اس میں بھی تاخیر ہوتی رہی۔ (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند، محرم/صفر/ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق جنوری/ فروری/مارچ ۱۹۴۶ء ص:۳)

نیز چھ ماہ کی مدت گذرنے کے بعد محرم ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء جنوری سے رسالہ کی باضابطہ جدید اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند ربیع الثانی و جمادی الاول ۱۳۶۵ھ/ مطابق اپریل و مئی ۱۹۴۶ء ص/۴۱)

تلاش وجستجو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ چھ ماہ تک رسالہ کی اشاعت نہیں ہوئی اگر اشاعت ہوئی ہوتی تو ضرور کسی بھی مہینہ کا شمارہ کہیں نہ کہیں ضرور ملتا؛ لیکن اس کا تو کہیں وجود ہی نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ چھ ماہ رسالہ یوں ہی موقوف رہا۔

اس کے بعد محرم ۱۳۶۵ھ/ جنوری ۱۹۴۶ء سے قاضی خلیق احمد صدیقی سردھنوی نے ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، جن کی ادارت میں محرم ۱۳۶۸ھ/ نومبر ۱۹۴۸ء تک نکلتا رہا۔ (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۷)

صفر ۱۳۶۸ھ/ دسمبر ۱۹۴۸ء میں مشہور مصنف صاحبِ مصباح اللغات ابوالفضل حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ رسالہ کے مدیر مقرر ہوئے، ان کی مدت ادارت بہت مختصر ہے، کل مدت ادارت سات مہینے ہیں یعنی ۱۳۶۸ھ صفر تا شعبان/ دسمبر ۱۹۴۸ء تا جون ۱۹۴۹ء تک ان کی ادارت میں ماہ نامہ دارالعلوم شائع ہوا۔ (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۷، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی ص:۱۲۵)

اور اسی جون والے شمارے میں مجلسِ شوری دارالعلوم دیوبند نے مالی مشکلات اور دیگر اسباب کی بنا پر ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کو بند کرکے سہ ماہی کا اعلان کیا اور یہ رسالہ ''سہ ماہی'' بھی آئندہ صرف کوائف دارالعلوم پر مشتمل ہوا کرے گا، رمضان میں شمارہ کا کوئی کام نہیں ہوا، اس کے بعد ماہِ شوال، ذیقعدہ وذی الحجہ ۱۳۶۸ھ کا شمارہ کوائف دارالعلوم دیوبند کے نام سے حضرت مولانا سید از ہر شاہ قیصرؒ ابن حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ادارت میں شائع ہوا، یہ قلم کے بے تاج بادشاہ اور قلندر صفت انسان تھے، ان کی تحریر بڑی دلچسپ ہوتی تھی ماہ نامہ دارالعلوم کے مدیر کی حیثیت سے ان کی بڑی شہرت ہوئی، مولانا کی ادارت میں رسالہ سہ ماہی سے بہت جلد دوبارہ ماہ نامہ ہوگیا اور اس کا معیار بھی بلند ہوگیا، حضرت مولانا از ہر شاہ قیصرؒ کے زمانہ کا شمارہ مطالعہ کرنے میں بڑا لطف اور مزہ آتا ہے۔

اسی دور میں ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کی جلدوں میں بھی کچھ تبدیلی ہوئی اور کسی انتظامیہ مصلحت کی وجہ سے کچھ عرصہ تک چھ ماہ کی ایک جلد شمار کی گئی، حضرت مولانا سید از ہر شاہ قیصرؒ کی ادارت کا

زمانہ بہت طویل ہے،کل مدت ادارت ۳۲ سال چھ مہینے ہیں یعنی جولائی ۱۹۴۹ء سے ۱۹۸۲ء تک مسلسل وہ رسالہ کے مدیر رہے، درمیان میں سترہ سال اداریہ لکھنے کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتیؒ،مفتی دارالعلوم دیوبند نے پوری کی؛لیکن اس کے باوجود حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے اخیر زمانہ اہتمام تک حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر ہی مدیر رہے،قضیہ کے پیش آنے کے بعد انتظامیہ میں تبدیلی ہوئی اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری منصب اہتمام پر فائز ہوئے، تو ایسے نازک اور مشکل حالات میں ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کے حوالے ہوئی حضرت مرحوم کی ادبی حیثیت اور حسنِ تحریر تو مسلم ہے، ترانۂ دارالعلوم اور نغمۂ سحر اور کلیات کاشف وغیرہ ان کا ادبی شاہ کار ہے۔(ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند شعبان ۱۳۶۸ھ/ جون ۱۹۴۹ء ص:۲/۱/ ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۸/۷)

حضرت مولانا کی کل مدت ادارت تین سال پانچ مہینے ہیں یعنی جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق اپریل ۱۹۸۲ء سے ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ/ اگست ۱۹۸۵ء تک مدیر رہے اور آخر کے ایک سال چھ مہینے رسالہ کے لوح پر حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ کا نام مدیر مسئول کی حیثیت سے مطبوع ہوتا رہا، اس کے بعد جب حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ کی انتظامی مصروفیات بڑھ گئیں تو ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کی ادارت کی ذمہ داری استاذ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے سپرد کی گئی،مولانا کی ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کی زمانۂ ادارت مولانا سید ازہر شاہ قیصر صاحبؒ کی طرح طویل ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رجب المرجب ۱۴۰۴ھ/اپریل ۱۹۸۴ء سے بحیثیت مدیر کام شروع کیا (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۸)

لیکن باضابطہ مولانا موصوف ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق اگست ۱۹۸۵ء میں مدیر مقرر ہوئے اور دو سال قبل نومبر ۲۰۱۶ء میں درازی عمر اور تدریسی علمی وتحقیقی مصروفیات کی بنا پر اس عظیم خدمات سے معذرت کرلی، حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ کے زمانہ ادارت میں بھی گاہِ بہ گاہ مدیر کی حیثیت سے مضامین لکھتے رہے، حضرت الاستاد کے دورِ ادارت میں متعدد خاص نمبر بھی شائع ہوئے ہیں جن میں ''ختم نبوت نمبر'' ''الاحسان نمبر'' ''مسلم پرسنل لا نمبر'' ''وفیات نمبر'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔(ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۲۰۱۶ء ص:۸)

حضرت مولاناؒ کی مدت ادارت کل ملاکر ۳۲ سال آٹھ مہینے ہیں یعنی رجب المرجب ۱۴۰۴ھ /اپریل ۱۹۸۴ء سے/نومبر ۲۰۱۶ء تک مدیر رہے، اس کے بعد دسمبر ۲۰۱۶ء سے ماہ نامہ دارالعلوم

دیوبند کی ادارت کی ذمہ داری مشفق ومربی استاد گرامی قدر حضرت مولانا محمد سلمان بجنوری دامت برکاتہم العالیہ استاذ فقہ وادب دارالعلوم دیوبند کے سپرد ہے، جو ماضی کی طرح اب بھی عمدہ طباعت وکتابت کے ساتھ علمی وتحقیقی، ادبی وتاریخی، اسلامی واصلاحی، سوانح علماء دیوبند، سیرت رسول وصحابہ، تابعین وتبع تابعین، فقہ وفتاوی، احوال وکوائف، شعر وسخن، نظم ونثر، تزکیۂ نفس اور قرآن وسنت پر مشتمل مستقل مضامین بحمد اللہ شائع ہورہے ہیں، جس سے فضلائے دارالعلوم دیوبند اور عام مسلمانانِ ہند کے علاوہ بیرون ملک کے علماء وفضلاء اور عوام الناس فیض یاب ہورہے ہیں، اللہ تعالی اس سلسلہ کو قیامت تک جاری رکھے اور حضرت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے! آمین!



اسلام میں خواتین کے حقوق

(۳/۳)

از: مفتی توقیر عالم قاسمی
استاذِ حدیث مدرسہ اشرف العلوم بردوان، مغربی بنگال

ماں کا حق باپ پر مقدم

بچے کی پرورش میں محنت ومشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے؛ اس لیے شریعت میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے کی دو حدیثیں پڑھیے:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! "مَنْ أَحقُّ الناسِ بِحُسْنِ صَحابَتِي؟ قال: أُمُّكَ، قال: ثُمّ مَن؟ قال: ثمّ أمّك. قال: ثمّ مَن؟ قال: ثمّ أمّك. قال: ثمّ مَن ؟قال: ثمّ أبُوكَ. (بخاری حدیث نمبر: ۵۹۷۱، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، مسلم حدیث نمبر: ۱-۲۵۴۸، باب برالوالدین)

"یعنی مجھ پر خدمت اور حسنِ سلوک کا لوگوں میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں کا۔ اس نے کہا: پھر کس کا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں کا۔ اس نے کہا: پھر کس کا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں کا۔ اس نے کہا: پھر کس کا؟ (تو چوتھی مرتبہ) آپ نے فرمایا: تمہارے باپ کا"۔

(۲) بہز بن حکیمؒ سے روایت ہے کہ میرے دادا معاویہ بن قشیریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا؟ یارسول اللہ! مَنْ أَبَرُّ؟ قال: أمَّك، ثم أمَّك، ثم أمَّك، ثم أباكَ، ثم أباكَ، ثُمَّ الأقربَ فالأقربَ۔ (أبوداؤد حدیث نمبر: ۱۵۳۹، باب فی برالوالدین، ترمذی حدیث، ۱۸۹۷، باب ماجاء فی برالوالدین)

یعنی مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے، اس بارے میں سب سے

زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں کا، پھر تمہاری ماں کا، پھر تمہاری ماں کا، (اور چوتھی مرتبہ فرمایا:) پھر تمہارے باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں میں صراحتاً مذکور ہے کہ خدمت اور حسنِ سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔

جنت ماں کے قدموں کے میں

ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ سے مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری ماں باحیات ہے؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: إِلْزَمْهَا؛ فَإِنَّ الجنةَ عندَ رِجْلِهَا۔ (مسند أحمد حدیث نمبر: ۱۵۵۳۸، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر: ۹۲۹۰)

اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سوال کیا: یارسول اللہ! ماں باپ کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ۔ وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں، یعنی تم ان کی خدمت اور حقوق ادا کروگے تو وہ تمہارے لیے دخولِ جنت کا سبب ہیں اور اگر ان کی نافرمانی کروگے اور ان کو ایذاء پہنچاؤگے تو یہ حرماں نصیبی اور باعثِ جہنم ہے۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۶۶۲، باب برالوالدین)

ماں کو محبت کی نظر سے دیکھنے میں مقبول حج کا ثواب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَامِنْ ولدٍ بارٍّ ينظرُ إلى والدتِه نظرةَ رحمةٍ إلّاكانَ له بكلِّ نظرةٍ حجةٌ مبرورةٌ، قالوا: وإنْ نَظَرَ إليها كلَّ يومٍ مِأَةَ مَرَّةٍ؟ قال: نعم! اللّٰهُ أكبرُ وَ أَطْيَبُ۔ (شعب الإيمان للبيهقی، حدیث نمبر: ۷۴۷۵، باب برالوالدین)

''یعنی ماں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے والا جو بھی لڑکا اپنی ماں کو محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کو ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول (نفلی) حج کا ثواب ملتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر چہ وہ دن بھر میں سو مرتبہ دیکھے؟ حضور نے فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ دن میں سو مرتبہ دیکھے۔ اللہ بہت بڑا اور بہت پاکیزہ ہے۔ یعنی تمہارے گمان میں جو یہ بات ہے کہ ہر نظر کے بدلے ایک مقبول نفلی حج کا بدلہ کیوں کر ملے گا تو سنو! یہ اجر وانعام اللہ تعالی کی شان اور اس کی وسعتِ رحمت

کی نسبت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو اس سے بھی بڑا اور زیادہ اجر عطا کرسکتا ہے اور اللہ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک اور منزہ ہے''۔

ماں کی خدمت پر عظیم بشارت

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا، اسی اثنا میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، تو میں نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتا ہوا سنا، میں نے فرشتوں سے پوچھا: یہ کون ہے؟ جو قرآن کی تلاوت میں مشغول ہے، تو انھوں نے بتایا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی وہ فضیلت اور ثواب ہے جو والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر حاصل ہوتا ہے، یہی وہ فضیلت اور ثواب ہے جو والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر حاصل ہوتا ہے (یعنی یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا)، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''وَكَانَ أَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهِ''، یعنی حارثہ بن نعمان اپنی ماں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ نے ان کو یہ مقام عطا کیا کہ وہ جنت میں بھی قرآن کی تلاوت کررہا ہے۔ (مسند أحمد حدیث نمبر: ۲۵۳۳۷، صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۷۰۱۵)

بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کرنا حرماں نصیبی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاک آلود ہو ناک اس شخص کی، خاک آلود ہو ناک اس شخص کی، خاک آلود ہو ناک اس شخص کی، ۔ یعنی گویا آپ نے تین مرتبہ یہ بددعا فرمائی کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو۔ پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ جس کے حق میں بددعا فرمائی جارہی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو، یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور وہ شخص ان کی خدمت کرکے اور ان کو راضی کرکے جنت میں داخل نہ ہوسکا؛ کیوں کہ بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنا بڑے اجر کی بات ہے اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ (مسلم حدیث نمبر: ۱۰-۲۵۵۱)

والدین کی نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے اوپر ماں باپ کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيكُمْ عُقُوقَ الوالدينِ۔ (بخاری حدیث نمبر: ۲۴۰۸، مسلم حدیث نمبر: ۱۲-۵۹۳)

اور ایک حدیث میں ہے، حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: كُلُّ الذنوبِ يغفر اللّٰهُ منها ماشاءَ إلَّا عقوقَ الوالدينِ؛ فإنّه يُعَجِّلُ لِصاحبِه في الحياةِ قبلَ المماتِ۔ (شعب الإيمان للبيهقي حدیث نمبر:۷۵۰۶)

یعنی شرک کے علاوہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہتا ہے معاف فرمادیتا ہے؛ مگر ماں باپ کی نافرمانی کا گناہ کہ اس کو نہیں بخشتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو موت سے پہلے اس کی زندگی میں جلد ہی سزا دے دیتا ہے۔

مشرک ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَاتُطِعْهُمَا، وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا، وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ،ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ، فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں یعنی ماں باپ تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے، جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ شرافت سے بسر کیے جانا، اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتاؤں گا۔

اور سورۂ عنکبوت میں ہے:

''اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا؛ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا، جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، تم سب کو میرے پاس ہی آنا ہے، میں تم کو جتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے تھے''۔ (العنکبوت:۸)

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اگر ماں باپ مشرک اور کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا؛ البتہ اگر وہ شرک وکفر، یا کسی معصیت کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ ''لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''یعنی اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے، ام المؤمنین حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئی، جب کہ وہ مشرکہ تھی، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مجھ سے اچھا سلوک اور صلہ رحمی کی خواہش رکھتی ہے، تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟

آپ نے فرمایا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کرو۔ (تفسیر قرطبی: ۲۳۹/۱۰)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا: یعنی دنیا کے حوائج ومعاملات میں (جیسے ان کے ضروری اخراجات اور خدمات وغیرہ)، ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ''مشرک ماں باپ کے ساتھ اچھی صحبت اختیار کرو جسے شریعت پسند کرتی ہے اور کرم ومروت جس کا تقاضہ کرتی ہے، جیسے ان کو کھانا کھلانا، ان کو کپڑا پہنانا، ان پر ظلم وزیادتی نہ کرنا، ان کو نہ جھڑکنا، ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرنا اور جب وہ مرجائیں تو ان کی تدفین میں شرکت کرنا، وغیرہ۔ (روح المعانی: ۱۳۲/۱۲)

اویس قرنیؒ اور ماں کی خدمت

یمن کے رہنے والے حضرت اویس قرنیؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں دولت ایمان واسلام سے مشرف ہوئے، حضور سے بہت ہی زیادہ عشق ومحبت تھی، اپنی تمام تر خواہشات اور تمناؤں کے باوجود آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے؛ چوں کہ ان کی بوڑھی ماں تھی، جس کی وہ خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے، ماں کے علاوہ کوئی بھی بیوی بچہ نہیں تھا جو ان کی ماں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتا، اس مجبوری میں وہ ماں کی خدمت کو چھوڑ کر حضور کی زیارت نہ کرسکے، اور صحابیت کا شرف حاصل نہ کرسکے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی منقبت اور فضیلت میں فرمایا: ''لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ''۔ کہ وہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے پر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ تعالی اس کو ضرور اس قسم میں بری کردے اور اس کو حانث ہونے نہ دے، مثلا یہ کہے کہ اللہ کی قسم کل بارش ہوگی، تو اللہ تعالی ان کی قسم کی رعایت میں بارش برسادے اور اس کو حانث ہونے نہ دے۔

اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''خيرُ التابعينَ أويس'' تمام تابعین میں سب سے افضل اور بہتر اویس قرنی ہیں۔

اور حضور نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا: اویس قرنیؒ سے جب تمہاری ملاقات ہو تو ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنا؛ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب حضرت عمرؓ کی اویس قرنیؒ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ان سے اپنے لیے دعا کرائی۔

اویس قرنیؒ کو برص یعنی سفید داغ کی بیماری تھی، انھوں نے اللہ تعالی سے اس سے شفاء اور اس کے ازالہ کی دعا کی تو اللہ نے ان سے یہ بیماری دور فرمادی، صرف ایک دینار یا درہم کے بقدر سفید نشان باقی رہ گیا تھا۔

الحاصل وہ ماں کی خدمت میں مشغولیت کے سبب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر، صحابی ہونے کی عظیم مرتبت گرچہ حاصل نہ کرسکے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے ان کو مستجاب الدعوات اور افضل تابعین ہونے کا جو تمغہ اور تحفہ عطا فرمایا، وہ ان کی منقبت وفضیلت کو بخوبی عیاں کرتا ہے؛ بلاشبہ یہ اویس قرنیؒ کے لیے بلند ترین اعزاز ہے۔ (مسلم حدیث نمبر: ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵-۲۵۴۲، باب من فضل أویس القرنی۔ مرقاۃ المفاتیح: ۹/۴۰۳۵، باب ذکر الیمن والشام وذکر أویس القرنی)

ماں کی قلیل خدمت پر کثیر ثواب

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا، جو خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا اور اپنی ماں کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا، یعنی اپنی ماں کو کندھے پر اٹھا کر طواف کرارہا تھا، اس آدمی نے کہا: اے ابن عمر! آپ کا کیا خیال ہے، کیا میں نے اپنی ماں کو بدلہ دیدیا، ان کا میرے اوپر جو حق ہے میں نے وہ ادا کردیا؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: نہیں! اور نہ ایک مرتبہ خندہ پیشانی سے (تم اس کا حق ادا کرسکتے ہو)؛ البتہ تم نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے اور اللہ تم کو قلیل خدمت پر کثیر بدلہ اور اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ (تفسیر روح المعانی: ۹/۳۷، زکریا بکڈپو دیوبند)

ماں باپ کی وفات کے بعد ان کی نافرمانی کرنے والی اولاد کیا کرے؟

کسی آدمی نے اپنے ماں باپ، یا ان میں سے ایک کی نافرمانی کی، ان کے حقوق کو ادا نہیں کیا، جس کی وجہ سے والدین اس سے ناراض اور ناخوش رہے اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی تو اس نافرمان اولاد کے لیے تلافیِ مافات کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کے لیے برابر دعا کرتی رہے، ان کے لیے استغفار کرے اور ایصالِ ثواب کرتی رہے تو اللہ تعالی ان کی ناراضگی اور ناخوشی کو ختم کردے گا اور اس نافرمان اولاد کا نام ان لوگوں میں شمار کرے گا جو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں اور ان کی رضا وخوشنودی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی ایسے بندے کے ماں باپ مرجاتے ہیں، یا ان دونوں میں سے ایک مرجاتا ہے جو ان کی نافرمانی کیا کرتا تھا اور پھر ان کی موت کے بعد وہ ان کے لیے برابر دعا واستغفار کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالی اس کو نیک وفرماں بردار لکھ دیتا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں: أَنَّ العبدَ لَیموتُ والداہ، أو أحدُھماوأنہ لھما لعاقٌ، فلایزالُ یدعُولھما، ویستغفرُلھما حتی یَکْتُبَہ اللّٰہ بارًا۔ (شعب الإیمان للبیھقی

حدیث نمبر:۷۵۲۴، باب فی حفظ حق الوالدین بعد موتہما)

اور ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے ماں باپ، یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی ہر جمعہ زیارت کرے تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے اور اس کا نام نیکوکار اور والدین کی فرماں برداری کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔(حوالہ سابق، حدیث نمبر:۷۵۲۲)

اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی، ان کی حیات میں، پھر ان کے قرض ودین کو ادا کیا اگر ان پر کوئی قرض تھا، ان کے لیے استغفار کیا اور ان کو گالی دینے کا سبب نہیں بنا تو اس کو نیک وفرماں بردار میں شمار کیا جائے گا اور اس کا نام نیکوکار میں لکھ دیا جائے گا۔(حوالہ سابق، حدیث نمبر:۷۵۲۹)

گالی دینے کا سبب بننا اس طرح ہوتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ دوسرا جواب میں اِس کے ماں باپ کو گالی دے، تو یہ آدمی اپنے والدین کو گالی دئے جانے کا ذریعہ اور سبب بنا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ,,إنَّ هدیةَ الأحیاءِ إلی الأمواتِ الاستغفارُ لَهُمْ،،۔ (شعب الإیمان للبیهقی حدیث نمبر:۷۵۲۷، باب فی حفظ حق الولدین بعد موتہما)

یعنی مُردوں کو زندہ لوگوں کا ہدیہ ان کے لیے استغفار کرنا ہے۔

اللہ تعالی میرے والدین کی، آبا ءواجداد کی، خویش واقارب کی، ہمارے جملہ اساتذہ کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے! آمین

(۵) بیوہ عورت کے حقوق

زمانۂ جاہلیت میں بیوہ عورت پر ظلم وزیادتی کی انتہا نہ تھی، شوہر کی وفات کے بعد اس کے مال وجائداد کی طرح اس کی بیوی بھی وارثوں کی میراث شمار ہوتی اور اس پر طرح طرح کے مظالم کیے جاتے، اسلام نے اس دستور اور ظالمانہ رسم سے روکا اور بیوہ عورت کو بے مثال حقوق دیئے؛ چناں چہ قرآن کریم میں اللہ حکیم وقدیر نے فرمایا: یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَایَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً وَلَا تَعْضِلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاآتَیْتُمُوْهُنَّ إِلَّا أَنْ یَّأْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیَّنَةٍ. (النساء:۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ اور نہ انھیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انھیں جو کچھ دے رکھا ہے اس کا کچھ حصہ وصول کرلو، بجز اس صورت

کے کہ وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں ,,اہلِ جاہلیت کے اس ظلم وتعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی وہ عورتوں پر طرح طرح سے کیا کرتے تھے، سومن جملہ ان صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا، یا بھائی، یا اور کوئی وارث لے لیتا، پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا، یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا، یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا، یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا (جلالین) اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مرجائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے، میت کے بھائی اور اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے، نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے۔ ہاں صریح بدچلنی کریں تو اس سے روکنا چاہیے۔ (فوائد عثمانی، ترجمۂ شیخ الہند: ۱۰۳، ۱۰۴)

تفسیر ماجدی میں ہے:

عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی سوتیلے لڑکوں کے ورثہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن کے بھی کسی کسی دور میں رہ چکا ہے۔ (تفسیر ماجدی: ۱/ ۷۲۸)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

ایک صورت یہ بھی رائج تھی کہ عورت کو نکاح ثانی نہ کرنے دیا جائے، اور جب وہ مرجائے تو اس کے مال پر خود قبضہ کرلیا جائے۔ بعض مرتبہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی بدون کچھ لیے اس کو نکاح نہ کرنے دیتا۔ (بیان القرآن: ۱/ ۳۳۲)

تفسیر بغوی اور قرطبی میں ہے:

زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں لوگوں کا رویہ اور دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو میت کا سوتیلا بیٹا، یا اس کے عصبہ میں سے کوئی قریبی اس عورت پر کپڑا ڈالتا اور وہ اس بیوہ عورت کی ذات کا حق دار ہوجاتا، پس اگر وہ چاہتا تو اس سے بغیر مہر کے نکاح کرلیتا، یا اگر چاہتا تو دوسرے سے نکاح کرادیتا، اور اس میں جو مہر ملتا خود رکھ لیتا، یا اگر چاہتا تو اس کو یوں ہی چھوڑے رکھتا اور اس کو نکاح کرنے سے روکتا اور کسی سے بھی نکاح کرنے نہیں دیتا، اسے تنگ کرتا اور تکلیف

پہنچا تا؛ تا کہ اس بیوہ کو اس کے میت شوہر سے جو مال ملا ہے اسے دے کر اپنی جان چھڑا لے، یا وہ بیوہ عورت یوں ہی رہتی؛ تا آں کہ وہ مرجاتی اور وہ اس کے مال کا وارث ہو جاتا۔ شریعت نے اس رسم کو مٹانے کے لیے آیت: ''یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَایَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً'' نازل فرمایا؛ لہٰذا اس آیت سے مقصود دورِ جاہلیت کے اس رسم کو ختم کرنا ہے جس کے تحت وہ بیوہ عورتوں کا اسی طرح وارث ہوتے تھے جس طرح میت کے مال کا وارث ہوتے تھے۔ (تفسیر بغوی: ۱/ ۵۸۷، تفسیر قرطبی: ۵/ ۹۴، ۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیوہ کے ساتھ نرم برتاؤ

عن عبدِ اللّٰهِ بنِ أبی أَوْفَیٰ یقولُ: کانَ رسولُ اللّٰهِ صلَّی اللّٰه وعلیه وسلّم یُکْثِرُ الذکرَ، ویُقِلُّ اللغوَ، وَیُطِیْلُ الصلاةَ، ویَقْصُرُ الخطبةَ، وَلَایَأْنِفُ أن یَمْشِیَ مَعَ الْأَرْمِلَةِ والمسکینِ، فیقضِی له الحاجةَ۔ (سنن نسائی حدیث نمبر: ۱۴۱۴، سنن دارمی حدیث نمبر: ۷۵)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ذکر کرتے تھے، بے کار اور لغو بات بہت کم کرتے تھے، نماز لمبی پڑھتے تھے، خطبہ مختصر دیتے تھے، اور آپ کو بیوہ و مسکین کے ساتھ چلنے میں ناگواری نہیں ہوتی تھی، پس ان کے ساتھ چل کر ان کی ضرورت کو پوری فرماتے تھے۔

بیوہ کی خدمت کا ثواب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: السَاعِیُ علی الأرملةِ والمسکینِ کالمجاهدِ فی سبیلِ اللّٰه –وأحسبه– قال: کالقائمِ لَایَفْتُرُ، وکالصائمِ لایُفطِرُ۔ (بخاری حدیث نمبر: ۶۰۰۷، باب السعی علی الارملۃ۔ مسلم حدیث نمبر: ۲۹۸۲، باب الاحسان الی الارملۃ)۔

''یعنی بیوہ عورت اور مسکین کی خبر گیری اور خدمت کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کے راستے میں سعی کرے یعنی جو شخص بیوہ عورت اور مسکین کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتا ہے اور ان کی ضروریات کو پوری کر کے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اس کا ثواب اس ثواب کے برابر ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور حج کرنے والے کو ملتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: ''بیوہ عورت اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر بیدار رہ کر عبادت کرے اور اس میں کوئی سستی اور تھکان نہ ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو (دن کو کبھی)

افطار نہ کرے، یعنی مسلسل ہر دن روزہ رکھے، جس کو صائم الدہر کہتے ہیں''۔

بیوہ بیٹی کی کفالت کا اجر

عن سراقةَ بن مالكٌؓ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: أَلَاأَدُلُّكُمْ عَلَى أفضلِ الصدقةِ؟ ابنتُكَ مردودةٌ إليكَ، ليس لها كاسبٌ غيرَكَ۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر:۳٦٦٧، مسند احمد حدیث نمبر:۱۷۵۸٦)

ترجمہ: حضرت سُراقہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بہترین اور افضلِ صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ صدقہ اپنی اس بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک اور اس پر خرچ کرنا ہے، جو تمہارے پاس واپس بھیج دی گئی ہے اور تمہارے علاوہ اس کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ یعنی اگر تمہاری بیٹی کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہو یا وہ مرگیا، اور اس کے پاس کسبِ معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کوئی کمانے والا نہ ہو جو اس کی کفالت کر سکے؛ بلکہ صرف تم ہی اس کے لیے واحد سہارا ہو؛ اسی لیے ناچار ہو کر تمہارے گھر آن پڑی ہے تو تمہاری طرف سے اس کی کفالت، خبر گیری اور حسنِ سلوک ایک بہترین صدقہ ہے۔ اس پر مال خرچ کرنا افضل صدقہ ہے۔

اللہ تعالی تمام حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔ آمین



قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

تعارف وخدمات

خطاب: حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

ضبط وترتیب: حافظ خرم شہزاد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا پہلا تعارف یہ ہے کہ حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں اس وقت کے بڑے عظیم اساتذہ میں سے تھے اور دہلی میں پڑھاتے تھے اوران کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی تھے، اسی طرح حضرت گنگوہیؒ اُن کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے اور حضرت نانوتویؒ کے ہم سبق بھی تھے۔ انھوں نے شاہ ولی اللہ کے خانوادے میں سے شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ جو حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے، اُن سے حدیث پڑھی ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں بڑے اکابر علماء میں سے مفتی صدرالدین آزردہؒ تھے، وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا فتویٰ دینے والوں میں سے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوئے اور اُن کی جائیداد بھی ضبط ہوئی، بہت کچھ ہوا۔ حضرت گنگوہیؒ اُن کے بھی شاگرد تھے۔ اسی طرح اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کا دوسرا تعارف یہ ہے کہ جب یہ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ اس زمانہ میں مدارس کی یہ (موجودہ زمانے کی) شکل نہیں ہوتی تھی یہ تو ۱۸۵۷ء کے بعد کے تقاضوں کے باعث شکل بنی ہے۔ اس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ صاحبِ علم آدمی کسی جگہ بیٹھا ہوا ہے، لوگ آرہے ہیں اور وہ پڑھا رہے ہیں۔ مدرسہ کا کوئی نام نہیں ہے بس ایک شخصیت بیٹھی ہے لوگ آتے ہیں اور پڑھتے ہیں، کوئی نحو پڑھ رہا ہے، کوئی صرف پڑھ رہا ہے اور کوئی حدیث پڑھ رہا ہے۔ اس زمانے کا مدرسہ یہ ہوتا تھا اور یہ منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، گکھڑ (ضلع گوجرانوالہ) میں والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۹۴۳ء میں دیوبند

سے فارغ ہوکر آئے تھے، آکر مسجد میں بیٹھ گئے اور سنہ ۱۹۵۲ء میں جامعہ نصرۃ العلوم (گوجرانوالہ) قائم ہوا ہے، اِن درمیان کے دس سالوں میں والد محترمؒ کے پاس لوگ آتے تھے، مسجد میں قیام ہوتا تھا اُس زمانے میں (تقریباً) پینتیس چالیس طلباء ہوتے تھے۔محلّہ والے روٹی کھلا دیتے تھے اور استاد جی پڑھا دیتے تھے، یہ تھا مدرسہ! میں نے ایک مرتبہ والد صاحبؒ سے پوچھا کہ ''آپ دن میں کتنے سبق پڑھا لیتے تھے؟'' فرماتے ''(دن میں) بائیس بائیس سبق بھی پڑھائے ہیں''

اس زمانے کا مدرسہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی صاحب علم شخصیت آکر بیٹھ گئی ہے اور لوگ پڑھنے کے لیے آرہے ہیں، نہ اس بات کی پرواہ ہے کہ کہاں رہیں گے، کھائیں گے کہاں سے؟ لہٰذا مسجد بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی، محلے دار روٹی کھلا دیتے تھے اور استاد جی پڑھا دیتے تھے۔تنخواہ کا چکر نہ کوئی گریڈ کا چکر اور نہ ہی کوئی باقی سہولتوں کا چکر تھا۔اسی طرح حضرت گنگوہیؒ بھی آکر بیٹھ گئے، صاحب علم اور بڑے ذہین تھے اور تقریباً پچاس سال گنگوہ میں بیٹھ کر آخر وقت تک شخصی مدرسہ میں پڑھاتے رہے اور ہزاروں سے بھی زیادہ لوگ ان سے پڑھتے رہے۔یہ ان کا دوسرا تعارف ہے کہ اپنے دور کی بڑی علمی شخصیات میں سے تھے کہ جن کے پاس پورے جنوبی ایشیاء کے لوگ آتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔میں گنگوہ گیا ہوں، مولانا اللہ وسایا صاحب بھی ساتھ تھے اور انھوں سے یہ ساری روئداد (''ایک ہفتہ شیخ الہندؒ کے دیس میں'' کے نام سے) شائع کی ہے۔

ان کا تیسرا تعارف یہ ہے کہ جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو جہاد کا فتویٰ دینے والوں میں ان کے استادِ محترم مفتی صدرالدین آزردہؒ بھی تھے، اور انھوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کرکے اپنی جائیداد ضبط کروائی اور قید بھی کاٹی تھی۔اس جہاد میں عملاً شرکت کرنے والوں میں تھے، یہ پورا ایک گروپ ہے۔شاملی کے مقام پر جہاں جنگ ہوئی تھی الحمدللہ میں وہ میدان بھی دیکھ کر آیا ہوں۔میرا اپنا ذوق ہے، اسی طرح جب میں امریکہ کے شہر اٹلانٹا گیا تو جہاں جنوب اور شمال کی جنگ ختم ہوئی تھی اور جنرل لی نے جنرل واشنگٹن کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے اور جنوب اور شمال کی ایک صدی کی طویل خانہ جنگی ختم ہوئی تھی، تو میں نے دوستوں کو کہا کہ مجھے وہ میدان دکھاؤ۔وہ کہنے لگے کہ ہمیں تو نہیں پتا، میں نے کہا مجھے پتا ہے۔میں اپنے ذوق کی بات کر رہا ہوں۔خیر میں نے شاملی کا محاذ بھی دیکھا ہے اور گنگوہ کی خانقاہ بھی دیکھی ہے۔

تھانہ بھون ان کا مرکز تھا اور یہ خانقاہ تھی، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حافظ

ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ یہ حاجی صاحبؒ کے مریدوں کا گروہ تھا۔اس خانقاہ والوں نے بھی جہاد میں شریک ہونے کا فیصلہ کرلیااور جہاد کیا، جنگ لڑی اور جیتی ۔ وہ تو دہلی میں جنرل بخت خان رحمۃ اللہ علیہ کو شکست ہوگئی تھی اور پھر یہاں بھی پسپا ہونا پڑا، وگرنہ یہ اپنی جنگ جیت چکے تھے اور شاملی میں انھوں نے قبضہ کرلیا تھا اور علاقائی سطح پر حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ''امیر المومنین'' ہونے کا اعلان بھی کردیا تھا۔اس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ''کمانڈر انچیف'' تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''چیف جسٹس'' تھے اور سارا نیٹ ورک بنالیا تھا، اُدھر جنرل بخت خان کو شکست ہوگئی اور یہاں پھر پسپا ہونا پڑا، ورنہ یہ اپنا نظم بنا چکے تھے اور جنگ جیت کر اپنی پوری تحصیل شاملی کو اپنی ریاست بنا چکے تھے؛ لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ یہ ان کا تیسرا تعارف ہے کہ یہ تحریک آزادی کے قائدین میں سے تھے ۔شکست کے بعد وارنٹ جاری ہوئے تو یہ گرفتار بھی ہوئے ۔حاجی صاحبؒ چھپتے چھپاتے حجاز مقدس تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ پکڑے گئے اور چھ مہینے جیل میں رہے اور مقدمہ چلا تو پھر وہ حالات بدل گئے تھے کیونکہ انگریز کا قبضہ ہوگیا تھا تو انھوں نے کہا ان کو چھوڑ دیتے ہیں خوامخواہ خلفشار رہے گا۔حضرت گنگوہیؒ کا یہ عمل بتاتا ہے کہ علماء اور صوفیاء کا کام صرف کتاب پڑھنا اور تسبیح پھیرنا نہیں، وقت آنے پر میدانِ جنگ میں آنا بھی ان کا کام ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد چونکہ ہم ہر لحاظ سے زیرو پوائنٹ پر تھے، معاشی کنٹرول پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس تھا پھر برطانوی حکومت نے سنبھال لیا، سیاست بھی حکومت بھی ، مدارس وغیرہ ہر چیز ختم ہوگئی، ہم نے نئی قومی زندگی کا آغاز زیرو پوائنٹ سے کیا تھا اور سب نے اپنے اپنے انداز میں آغاز کیا، سرسید احمد خان نے اپنے انداز میں اور ہمارے اکابر نے اپنے ایس او پیز میں اپنے اپنے انداز میں! تو اس وقت ضرورت کی دو چیزیں تھی، کیونکہ ۱۸۵۷ء میں ہر چیز صاف ہوگئی تھی اور یہ بات بھی ریکارڈ میں ہے؛ لیکن میں دوبارہ یاد دلانا چاہوں گا کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے تعلیمی نظام ایک ہی تھا یعنی درسِ نظامی! اس میں قرآن پاک ، حدیث ،فقہ، ریاضی ،طِب اور سائنس (جو اس وقت کی سائنس تھی) سب علوم اکٹھے پڑھائے جاتے تھے۔ درسِ نظامی کا پہلا مدرسہ اورنگزیب کے زمانہ میں فرنگی محلہ میں شروع ہوا تھا، ملا نظام الدین سہالوی اورنگزیب کے معاصر تھے۔اسی تپائی پر مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی تھی اور اسی پر اقلیدس ،طِب ، (اس وقت کی) ٹیکنالوجی اور میڈیکل بھی پڑھائی جاتی تھی ۔تمام علوم اکٹھے تھے؛ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریز براہِ راست آگیا تو اس نے دو بنیادی فیصلے کیے۔

(۱) پورے ملک کی زبان بدل دی، پہلے سرکاری زبان فارسی تھی جو ایران سے ہمایوں لے کر آیا تھا۔ فارسی سرکاری، قومی اور عدالتی زبان بھی تھی، وہ منسوخ کر کے انگریزی لے آئے اور جب زبان بدلی تو ہر چیز بدل گئی۔ ویسے بھی معاملات میں جب زبان بدلتی ہے تو ہر شے بدل جاتی ہے۔ جب قوموں میں زبان بدلتی ہے تو ہر شے بدل جاتی ہے۔ اب دفتری اور عدالتی نظام چلانے کے لیے انگریزی پڑھنی ضروری ہوگئی۔

(۲) دوسرا انھوں نے قانون بدل دیا۔ یہاں ایک ہزار سال سے مسلمان حکمران تھے تو فقہ حنفی حکمران تھی اورنگزیب سے پہلے بھی اور بعد میں بھی قانون یہ تھا غوری کے زمانے میں بھی، التمش کے زمانے میں بھی، سوری اور مغلوں کے زمانے میں بھی فقہ حنفی یہاں کا قانون تھا۔ انگریزوں نے وہ قانون بھی بدل دیا۔ ملک کا قانون بدل گیا، زبان بدل گئی تو اسی طرح تعلیم بھی بدل گئی۔ انگریزوں نے جو نیا نصابِ تعلیم دیا تو اس میں چار مضمون نکال دیے کہ یہ ہماری ضرورت کے نہیں ہیں۔ قرآن پاک، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی کی ضرورت اب نظام میں نہیں رہی تھی، یہ چار پانچ مضامین نکال دیے۔ آج یہ جو کہتے ہیں ''کہ ان (دینی وسائنسی) علوم کو اکھٹے کرو' حالانکہ ایسٹ انڈیا کے دور میں بھی یہ اکھٹے علوم ہم مسجدوں میں پڑھاتے رہے ہیں۔ جب ایجوکیشن کا نظام انگریزوں نے سنبھالا تو انھوں نے یہ چار پانچ مضامین غیر ضروری سمجھ کر نکال دیے تھے، یہ ہم نے نہیں نکالے تھے۔

اب جو پانچ علوم (قرآن، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی) نکالے تھے ان کی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے یہ چند بزرگ اکھٹے ہوئے کہ ان کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے کیونکہ گورنمنٹ نے تو نکال دیے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ علوم چندہ اور زکوۃ لے کر پرائیویٹ پڑھائیں گے۔ یہ ہے مدرسے کا پس منظر! ۱۸۵۷ء کے نو سال بعد دیوبند کا پہلا مدرسہ ۱۸۶۶ء میں اس اصول پر قائم ہوا تھا۔ اس زمانے میں عربی اور انگریزی کا تقابل بھی تھا، یہ سب مدرسہ عربیہ کے نام سے شروع ہوئے تھے یعنی انگریزی کے مقابلے میں عربی اور انگریزی قانون کے مقابلے میں فقہ اور حدیث! دارالعلوم دیوبند کا پہلا نام ''مدرسہ اسلامی عربی'' ہے، بعد میں دارالعلوم دیوبند بنا ہے۔ تقابل یہ تھا کہ انگریزی کے مقابلہ میں عربی اور انگریزی قانون کے مقابلہ میں فقہ اور حدیث، ہمیں ان علوم کو باقی رکھنے کے لیے پڑھانا ہے۔

جن حضرات نے اس سسٹم کی آبیاری کی ان میں مولانا حاجی سیّد محمد عابدؒ، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے؛ البتہ تعلیمی سسٹم کی بنیاد اور اس کی بیک پر

دوافراد تھے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ وہ آخر عمر تک اس سسٹم کے سرپرست رہے اور آبیاری کرتے رہے۔ مولانا گنگوہیؒ دوکام کرتے تھے اور یہ بھی مولانا گنگوہیؒ کے کمالات میں سے ہے۔ دیوبند کے نصاب میں دورۂ حدیث نہیں ہوتا تھا، اور اس زمانے میں (رائج) درسِ نظامی بھی نہیں تھا۔ یہ جو ایک سال صحاحِ ستہ پڑھاتے ہیں اس کو ایجاد کرنے والے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔ اس ترتیب کے ساتھ صحاحِ ستہ کہیں نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ دیوبند کا نصاب مکمل کرکے طلبا، گنگوہ چلے جاتے تھے کہ حضرت کی زیارت کریں گے اور ان کی خدمت میں رہ کر فیض بھی حاصل کریں گے اور حدیث بھی پڑھیں گے۔ ایک سال میں صحاحِ ستہ مکمل پڑھانا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے کیا ہے اور جب تک دیوبند میں دورۂ حدیث ٹاپ پر نہیں پہنچا حضرت گنگوہیؒ پڑھاتے رہے ہیں۔ یہ انھیں کی ایجاد، آغاز اور سنت مبارکہ ہے۔ آج دیوبندی ہو خواہ بریلوی ہو یا اہلحدیث ہو یہ سب کو کرنی پڑتی ہے، الحمدللہ یہ سارا فیض ان کا ہے۔

اس سارے سسٹم میں حضرت گنگوہیؒ کا کنٹری بیوشن کیا ہے؟ ایک تو یہ تھا کہ فارغ ہونے والے اپنی تکمیل کے لیے گنگوہ جاتے تھے۔ یعنی دیوبند میں برتن بننے کے بعد پالش ہونے کے لیے گنگوہ جاتے تھے۔ اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں کہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے تھے، والد محترم (حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ) کے استادِ محترم تھے۔ اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردوں میں سے تھے، مَیں جامع مسجد گوجرانوالہ میں اُن کے ساتھ خادم کے طور پر آیا تھا، پہلے بارہ (۱۲) سال ان کا نائب رہا ہوں اور پھر ان کی وفات کے بعد اب تک ان کی جگہ خطیب ہوں اور بحمداللہ مجھے اب باون (۵۲) سال ہو چکے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک واقعہ سنایا، میں اسے لکھ بھی چکا ہوں کہ یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد کی بات ہے اور اس وقت اُن کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے والد ہیں۔ اب اس زمانے میں انگریزی مستحکم ہو چکی تھی اور ریاستیں بن چکی تھیں اور سارا سسٹم ڈویلپ ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں ریاستیں تھی اور ان میں سب سے مالدار ریاست حیدرآباد دکن کی ریاست تھی، حضرت حافظ صاحبؒ بحیثیت مہتمم دارالعلوم دیوبند، دکن کے سفر پر گئے تو وہاں کے نواب صاحب سے ملاقات ہوئی، نواب صاحب نے استقبال اور دعوت بھی کی ہوگی، اس کے ساتھ ایک پیشکش بھی کی کہ ''حضرت! ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آپ کے پڑھے ہوئے بچے جہاں جاتے ہیں ہم ان کو سروسز میں لگاتے ہیں تو وہ کارکردگی، دیانت اور صلاحیت

میں بھی دوسروں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا تجربہ ہے لہٰذا مجھے یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیں کہ جتنے فارغ طلبا ہیں انھیں ہمارے پاس بھیج دیں ہم انھیں ملازمتیں دیں گے، اور آپ کا سارا خرچہ ہم دیں گے۔''

وہ زمانہ اچھا تھا، حافظ صاحبؒ نے فوراً معاہدہ نہیں کیا؛ بلکہ فرمایا کہ پہلے ہم اپنے بزرگوں سے پوچھ لیں۔ حافظ صاحبؒ واپس آئے، اس وقت دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے اور حافظ احمد صاحبؒ مہتمم تھے۔ تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے ذِکر کیا کہ نواب صاحب نے یہ پیشکش کی ہے؛ لہٰذا ہمارے تو دونوں مسئلے حل ہوگئے ہیں۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ بھی یہ ہے کہ کھپنا کدھر ہے، کیا دورۂ حدیث کرنے کے بعد ملازمت ملے گی؟ اور چندے سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔ مہتمم کو اور کیا چاہیے! دونوں مسئلے حل ہوگئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے پوچھا کہ ''مولوی احمد! وعدہ تو نہیں کرآئے؟'' انھوں نے فرمایا ''نہیں! حضرت مجھے آپ سے پوچھنا تھا۔'' حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ایسا کرو کہ گنگوہ جاؤ، ہمارے بڑے وہ (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) ہیں، ان کو جاکر سنا دو۔ اس زمانے میں یہ ماحول تھا۔ گنگوہ وہاں سے کئی میل کے فاصلے پر ہے، لہٰذا حافظ صاحبؒ وہاں گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں ساری بارت پیش کی اور ویسے بھی وہ حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔

حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا: ''مولوی احمد! اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟''

مولانا احمد صاحبؒ نے کہا ''حضرت ہمارے دونوں مسئلے حل ہوسکتے ہیں۔ فارغ ہونے والوں کی ملازمتوں اور مدرسہ کے خرچے کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے، میرا خیال ہے کہ پیشکش قبول کرلینی چاہیے۔''

حضرت گنگوہیؒ کا جملہ حضرت مفتی صاحبؒ نے نقل کیا ہے، میں عرض کردیتا ہوں، فرمایا: ''احمد! میں تجھے بیوقوف تو سمجھتا تھا؛ مگر اتنا نہیں، اللہ کے بندے ہم نے یہ مدرسے نواب حیدرآباد کی ریاست چلانے کے لیے بنائے ہیں؟ بلکہ ہم نے اس لیے بنائے ہیں کہ مسلمانوں کو مسجد میں امام، خطیب، مفتی، مدرس، حافظ اور قاری ملتا رہے۔ بھاڑ میں جائے حیدرآباد کی ریاست، ہم نے مدرسے اس لیے بنائے ہیں کہ مسجدیں آباد رہیں، قرآن پاک کی تعلیم چلتی رہے، لوگوں کو مسئلے بتانے والے ملتے رہیں، ہمیں (اس پیشکش کی) ضرورت نہیں ہے۔''

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی بصیرت کی بات تھی۔ آپ دومنٹ کے لیے سوچیں اگر یہ معاہدہ ہو

جاتا تو دس سال میں اس ملک میں مسجدوں کے لیے کوئی مولوی ملتا؟ قرآن پاک پڑھانے والا کوئی ملتا؟ سب ریاستوں میں چلے جاتے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس سسٹم کے سرپرست اور نگرانِ اعلیٰ تھے، حضرت نانوتویؒ کی زندگی میں دونوں اور حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعد ہمارا مدارالمہام حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تھے۔ جہاں سے ہم راہنمائی، فیض اور فیصلے لیتے تھے۔

ایک بات اور کہہ کر بات سمیٹتا ہوں اور میں نے پہلے بھی کسی مجلس میں عرض کیا ہے کہ ''دیوبندیت اور بریلویت کیا ہے؟'' ۱۸۵۷ء کے بعد مسائل کی تعبیرات اور فتوے میں جو رنگ اور رُخ مولانا احمد رضا خان نے اختیار کیا وہ بریلوی بن گئے اور جو رُخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اختیار کیا وہ دیوبندی بن گئے۔ یہ ساری تقسیم ہے؛ لہٰذا بنیادی شخصیتیں دو ہیں اُدھر مولانا احمد رضا خان بریلوی اور اِدھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ!

دوسری بات یہ کہ ہمارے دیوبندیوں میں بھی ایک دائرہ عقائد کی تعبیرات اور جدید چیلنجز کے سامنا کرنے کا ہے؛ کیونکہ مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں آج مغربی فکر، ہیومنزم، فیمنزم، مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت اور مغرب کے سیکولرازم کا سامنا ہے۔ اور متکلم اُسے کہتے ہیں جو وقت کی ضروریات اور مسائل محسوس کرتا ہو، انھیں ڈسکس کرتا ہو اور اس دور کے حوالوں سے اسلام کی تعبیر بیان کرتا ہو۔ اور فقیہ وہ ہوتا ہے جو فقہ کی بنیاد پر مسائل کا حل بتائے، یہ دونوں دائرے الگ الگ ہیں۔ ہمارے متکلم اعظم مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ اعظم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ اس زمانے میں جو اعتقادی اور کلامی مسائل تھے ان کو ڈسکس کیا اور پنڈت دیانند سرسوتی سے مناظرے کیے، پادری فنڈر سے آمنا سامنا ہوا۔ دین کا دفاع اور وقت کے تقاضوں کے مطابق دین کی تعبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی اور شریعت کی بنیاد پر مسائل کا فقہی حل بتانا یہ فقیہ کا کام ہے اور ہمارے فقیہ اعظم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ اور ہمارے صوفی اعظم اور روحانی پیشوا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اِن تین بزرگوں کی تکون کا نام ''دیوبندیت'' ہے اور ہم ان کے نام لیوا ہیں۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے، آمین۔

اور آخر میں ایک بات کہہ کر بات ختم کروں گا، اور میں طلباء اور علماء سے عرض کیا کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے بزرگوں سے عقیدت تو ہوتی ہے، ان کے نعرے بھی لگاتے ہیں، جن بزرگوں کے نام سے ہم اپنا تعارف کرواتے ہیں یعنی یہ جو چند بزرگ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ ہیں، انھیں کے نام

سے ہم اپنا تعارف کرواتے ہیں اور انھیں بزرگوں کے نام سے عزت بھی حاصل کرتے ہیں اور انھیں کے نام سے کھاتے بھی ہیں۔ ہمارا معاشرتی اسٹیٹس اور عزت انھیں بزرگوں کے نام سے ہوتی ہے لہٰذا اِن کو پڑھ بھی لیا کریں۔ بس آخر میں میری یہ درخواست ہے کہ ان بزرگوں کے نعرے بھی لگائیں، اپنے جذبات کا اظہار بھی کریں؛ مگر انھیں کچھ پڑھ بھی لیا کریں کہ یہ کون تھے اور انھوں نے کیا کیا تھا؛ تاکہ ہم بھی کچھ نہ کچھ کرسکیں۔



حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کی سند حدیث، اہمیت اور تحقیق

از: مولوی محمد معاذ لاہوری
جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی اور استاذ حدیث تھے، جو حضرات ذکر سند کے دیوبندی مزاج سے واقف ہیں، وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے مشائخ دیوبند اور فضلاء دیوبند کا یہ معمول رہا ہے کہ جب ان سے دورۂ حدیث کے اساتذہ کی تفصیل پوچھی جاتی ہے تو جواب میں صرف صدر مدرس کا نام لیا جاتا ہے کہ: حضرت شیخ الہند کے شاگرد ہیں، علامہ کشمیری کے شاگرد ہیں یا حضرت مدنی کے شاگرد ہیں اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ دیوبند میں صدر مدرس تمام کتب حدیث پڑھاتا تھا؛ یہ خلاف واقعہ ہے۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دیوبند میں ایک دو سال نہیں بلکہ تقریباً پچیس سال حدیث شریف پڑھائی ہے، آپ کے زیر درس کتب حدیث میں سنن نسائی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار طحاوی اور مشکوٰۃ المصابیح کا نام کثرت سے ملتا ہے؛ جب کہ ایک سال سنن ابی داؤد پڑھانے کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے زیر درس کتب حدیث اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہیں کہ آپ کی زندگی اور بعد کے ادوار میں بھی ان کتابوں کی دیوبندی سندوں میں مدار الاسناد آپ ہی ہیں۔

ذیل میں ہم اپنی معلومات کی حد تک مندرجہ بالا کتب کی نشاندہی کرتے ہیں کب تک یہ کتب براہ راست حضرت مفتی صاحب کے زیر درس رہیں اس کے علاوہ ان مشہور فضلاء کے نام بھی درج کیے جاتے ہیں جنھوں نے دیوبند ہی میں حضرت مفتی صاحب کی سند سے یہ کتب پڑھائیں۔

نوٹ: اسباق کی تفصیلات ہمیں ذاتی ذخیروں، سوانح، مشاہیر علماء مرتبہ قاری فیوض الرحمٰن اور محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند سے حاصل ہوئیں۔

سنن نسائی:

ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے سنن نسائی درج ذیل سالوں میں پڑھائی:

1323ھ،1325ھ،1327ھ،1328ھ،1329ھ،1330ھ۔

اس سے آگے عموماً ان حضرات نے سنن نسائی پڑھائی جو حضرت مفتی صاحب کے شاگرد ہیں، ذیل میں ان سالوں کی تفصیل پیش خدمت ہے جن میں مفتی صاحب کے تلامذہ نے سنن نسائی پڑھائی۔

٭ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (فراغت:1325ھ):1337ھ،1338ھ،اور1339ھ۔ اس کے بعد سنن نسائی پڑھانے کی صراحت نہیں ملتی۔

٭ حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی (فراغت:1323ھ): 1343ھ، 1351ھ، 1352ھ،1353ھ۔

٭ حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی (فراغت:1327ھ):1348ھ،1349ھ۔

٭ حضرت مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری (فراغت:1330ھ):1354ھ، 1355ھ، 1356ھ،1357ھ،1358ھ،1359ھ،1360ھ اور1362ھ۔

٭ حضرت مولانا عبدالشکور عثمانی دیوبندی (فراغت:1329ھ):1363ھ اور1364ھ۔

موطا امام مالک اور موطا امام محمد:

٭ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے موطا امام مالک اور موطا امام محمد درج ذیل سالوں میں پڑھائیں:1323ھ،1325ھ،1327ھ،1332ھ،1333ھ،1334ھ،1335ھ، 1336ھ، 1337ھ،تقریباً1345ھ تک موطا امام مالک اور موطا امام محمد آپ ہی کے پاس رہی، 1345ھ کے بعد آپ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سورت چلے گئے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی سند سے جن حضرات نے دارالعلوم میں موطا امام مالک اور موطا امام محمد پڑھائیں دریافت ریکارڈ کی موجودگی میں اس کی تفصیل یہ ہے:

٭ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (فراغت:1336ھ):1349ھ میں موطا امام مالک، 1352ھ میں موطا امام محمد، 1353ھ میں موطا امام مالک و موطا امام محمد،1354ھ میں موطا امام مالک، 1355ھ میں موطا امام محمد، 1356ھ میں موطا امام مالک، 1357ھ میں موطا امام مالک،

1359ھ میں موطاامام مالک،1360ھ موطاامام مالک۔

❋حضرت مولانا عبدالحق نافع گل کاکاخیل (فراغت:1340ھ):1355ھ موطاامام مالک، 1356ھ موطاامام محمد، 1357ھ موطاامام محمد، 1358ھ موطاامام مالک وموطاامام محمد، 1365ھ موطا امام محمد، 1366ھ موطاامام مالک۔

❋حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (فراغت:1337ھ):1361ھ موطا امام مالک، 1367ھ موطاامام محمد، 1368ھ موطاامام مالک وموطاامام محمد۔

❋حضرت مولانا قاضی شمس الدین کیمل پوری (فراغت:1341ھ):1362ھ موطاامام محمد۔

❋حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی (فراغت:1342):1365ھ موطا امام مالک وموطا امام محمد، 1366ھ موطاامام محمد۔

❋حضرت مولانا ظہوراحمد دیوبندی (فراغت:1337ھ):1361ھ موطاامام محمد، 1371ھ، 1373ھ، 1377ھ میں موطاامام مالک۔

❋حضرت مولانا قاری محمد طیب (فراغت:1337) نے بھی مختلف سالوں میں موطا امام مالک وموطاامام محمد پڑھائی ہیں۔

شرح معانی الآثار طحاوی شریف:

حضرت مفتی صاحب نے طحاوی شریف دستیاب معلومات کے مطابق درج ذیل سالوں میں پڑھائی: 1323ھ، 1327ھ، 1332ھ، 1333ھ، 1334ھ، 1335ھ، 1336ھ، 1337ھ، 1338ھ، 1339ھ، 1340ھ، 1345ھ درمیان کے سالوں میں بھی طحاوی کی تدریس ممکن ہے؛ مگراس کی صراحت نہیں ملی۔

حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ میں درج ذیل حضرات نے دیوبند میں طحاوی شریف پڑھائی:

❋حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی (فراغت:1323ھ):1342ھ، 1351ھ۔

❋حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاوی (فراغت: 1327ھ): 1349ھ، 1352ھ، 1353ھ، 1367ھ، 1368ھ۔

❋حضرت مولانا سید عبدالحق نافع گل کاکاخیل (فراغت:1340ھ):1355ھ، 1362ھ مفتی شفیع عثمانی کی رخصت کے بعد۔

❋حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (فراغت:1336ھ):1359ھ، 1360ھ، 1361ھ،

1362ھ ربیع الاول تک۔

* حضرت مولانا سید مبارک علی نگینوی (فراغت 1325): 1372ھ، 1375ھ۔

سنن ابی داؤد شریف:

حضرت مفتی صاحب کے تذکرے میں سنن ابی داؤد ایک ہی مرتبہ 1327ھ میں پڑھانا ملتا ہے، اس جماعت میں حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ شامل تھے، حضرت علامہ بلیاوی نے بھی زندگی میں ایک مرتبہ 1347ھ کے سال میں ابوداؤد شریف پڑھائی، اس سال ابوداؤد شریف پڑھنے والوں میں حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی شامل تھے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند میں متعدد سال ابوداؤد شریف پڑھائی۔

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد حضرت مفتی صاحب کی سند کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے، اگلا مرحلہ اس تحقیق کا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے دیوبند میں حدیث کی کون کون سی کتب پڑھی ہیں؟ اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے زیادہ تر تاریخ دارالعلوم دیوبند کی عبارت ''1295ھ میں بخاری، مسلم اور شرح عقائد پڑھ کر دارالعلوم سے فراغت حاصل کی'' سے استفادہ کیا ہے اس کے علاوہ رجسٹر فضلاء میں اسی سال آپ کو دارالعلوم دیوبند کا فاضل قرار دیا گیا ہے، اس عبارت سے بہت سے حضرات نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مفتی صاحب کی فراغت 1295ھ ہی کی ہے اور آپ نے کتب حدیث میں سے صرف دو کتابیں ہی پڑھی ہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں ڈیڑھ صدی تک کتب بندی رائج تھی نہ کہ درجہ بندی، استاذ طالب علم کے مناسب حال کتب تجویز کردیتا یا طالب علم خود لکھ دیتا کہ اس سال یہ یہ کتابیں پڑھنی ہیں، اس وجہ سے دیوبند کے قدیم طلبہ کتب حدیث دیگر کتب فنون کے ساتھ دو یا تین سالوں میں پڑھتے تھے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مدنی، علامہ انورشاہ کشمیری، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا محمد شفیع محدث (صدرمدرس مدرسہ عبدالرب دہلی)، مولانا سید میاں اصغرحسین دیوبندی اور مفتی محمود حسن گنگوہی کے تعلیمی ریکارڈ سے واضح ہے، اب رہی بات یہ کہ فضلاء کی لسٹ میں نام کب آئے گا؟؟ تو جس سال بخاری شریف پڑھی ہوتی اس سال فضلاء کی لسٹ میں نام آجاتا، یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کی تعلیمی کیفیت تاریخ دارالعلوم دیوبند میں بھی 1295ھ تک ہی لکھی ہے، مفتی صاحب پر علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا گیا اس میں بھی رودادوں کی مدد سے سال مذکور تک ہی کی تعلیمی کیفیت لکھی ہے اور رجسٹر فضلاء ہی کی وجہ سے فتاویٰ

دارالعلوم، دارالعلوم کی تاریخی شخصیات اور دیگر کتب کی روایت کہ ''مفتی صاحب کی فراغت 1298ھ'' ہے کورد کیا ہے۔

راقم اس تحقیق کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے ندوہ لائبریری مری روڈ حاضر ہوا، وہاں دارالعلوم کی اسی سالہ رودادیں موجود ہیں؛ لیکن یہ سفر انجام تک نہ پہنچا تھا اور لائبریری میں 1296ھ، 1297ھ، 1298ھ اور 1299ھ کی رودادیں موجود نہیں تھیں، اب معاملہ کا حل محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند ہی کے پاس تھا؛ چنانچہ ان سے بذریعہ ای میل رابطہ کیا گیا وہاں سے جو جواب آیا اس سے راقم کی مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

قدیم طلبہ دورہ کی کتابیں متعدد سالوں میں پڑھتے تھے:

* مفتی صاحب نے طحاوی کے علاوہ تمام کتب حدیث دیوبند میں پڑھی ہیں، طحاوی اس وقت تک مدارس میں آئی ہی نہیں تھی، ذیل میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی مکاتبت اوران کا جواب درج کیا جاتا ہے:

مکرمی ناظم تعلیمات صاحب زید شرفکم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی تعلیمی کیفیت 1295ہجری تک کی رودادوں میں ملتی ہے، سال مذکور میں مفتی صاحب نے کتب حدیث میں بخاری اور مسلم پڑھی، دارالعلوم کے قدیم طالب علم عموماً کتب حدیث دو یا تین سالوں میں مکمل کرتے تھے، جس طرح حضرت مدنی اور حضرت کشمیری کے تذکروں میں صراحت ملتی ہے اور رجسٹر فضلاء میں نام اس سال لکھا جاتا تھا جس سال بخاری پڑھی ہو۔

معلوم یہ کرنا تھا کہ مفتی صاحب نے حدیث کی بقیہ کتب: ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک اور موطا امام محمد دیوبند میں پڑھیں یا نہیں؟؟؟

پاکستان میں ایک لائبریری میں دیوبند کی رودادیں موجود ہیں راقم سفر کرکے وہاں حاضر بھی ہوا مگر 1295 سے آگے 1296، 1297، 1298 کی رودادیں موجود نہیں ہیں، جناب اگر کتب حدیث کی بابت یہ معلومات طالب علم کی انفرادی معلومات سے عنایت فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

جناب کو اس جتن میں ڈالنے کی غرض سند حدیث ہے، مفتی صاحب کا شمار دارالعلوم دیوبند کے کبار محدثین میں ہوتا ہے، عموماً سنن نسائی، موطا امام مالک اور موطا امام محمد جناب ہی سے متعلق رہتی

تھیں، جناب اگر اس بات کی وضاحت فرما دیں کہ مفتی صاحب نے یہ کتب دیوبند میں ان ان سالوں میں پڑھی ہیں تو نوازش ہوگی۔

عرض گزار

معاذ لاہوری

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور پاکستان

اس عرضی کا دیوبند سے درج ذیل جواب دیا گیا:

حضرت والا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض خدمت ہے کہ منسلکہ درخواست میں مطلوب ممکنہ معلومات حسب ذیل ہیں:

ریکارڈ کے مطابق حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ نے حدیث شریف کی مندرجہ ذیل کتابیں درج ذیل سنین میں پڑھیں ہیں:

1295ھ: بخاری شریف، مسلم شریف

1296ھ: ابوداؤد شریف

1297ھ: ابن ماجہ شریف، شمائل ترمذی شریف، نسائی شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف

1298ھ: موطا امام مالک، موطا امام محمد

والسلام

عبدالسلام قاسمی

محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

17 ذوالحجہ 1443ھ

17 جولائی 2022ء

اب رہی یہ بات کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے اساتذۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں کون کون ہیں؟

اس سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملی؛ البتہ مفتی صاحب کے قریب ترین فاضل حضرت تھانوی

تھے جنھوں نے اپنے اساتذۂ حدیث صراحت سے لکھے تھے؛ مگر یہ تفصیل موجود نہیں تھی کہ کون سی کتاب کس سال پڑھی اس کے لیے ایک مرتبہ پھر دارالعلوم دیوبند رابطہ کیا گیا، وہاں سے حضرت تھانوی کی تعلیمی تفصیل کے ساتھ ساتھ روداد 1295ھ سے اس سال کے اسباق، کا نقشہ بھی بھیجا گیا، حضرت تھانوی کی دریافت معلومات اور 1295 کا نقشہ اسباق حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ متعین کرنے میں معاون ثابت ہوا، حضرت تھانوی کی تعلیمی کیفیت سے متعلق دارالعلوم دیوبند سے درج ذیل مکاتبت ہوئی:

مکرمی جناب ناظم صاحب محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب نے کچھ عرصہ قبل حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی کی کتب حدیث کی تعلیمی تفصیل عنایت فرمائی تھی، فجزاہ اللہ عنی خیرالجزاء اس سے اگلا مرحلہ مفتی صاحب کے اساتذہ کی تحقیق کا تھا، اساتذہ کی تفصیل کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بتائی ہوئی ترتیب پر قیاس کیا گیا تھا سنن نسائی اور ابن ماجہ کے علاوہ، عرضی کے ساتھ لف صفحہ راقم ہی کے مضمون کا ہے جس میں ہر کتاب کے ساتھ استاذ کا نام اور حاشیہ میں اس کا تقریبی حوالہ پیش کیا گیا ہے۔

فی الوقت عرضی کا مقصد یہ ہے کہ جناب اگر رودادوں کی مدد سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب پڑھنے کی تفصیلات مہیا فرمادیں تو ہمیں اساتذہ قیاس کرنے میں مزید شرح صدر ہوجائے گا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا سال فراغت فہرست فضلاء کے مطابق 1299ہجری ہے، 1300 کی روداد بندہ نے خود ملاحظہ کی تھی اس میں حضرت تھانوی کا تذکرہ نہیں ہے؛ جب کہ 1296، 1297، 1298 اور 1299ہجری کی رودادیں جس لائبریری میں بندہ رودادیں دیکھنے جاتا ہے وہاں موجود نہیں ہیں، عرض ہے کہ ان رودادوں میں سے حضرت تھانوی کی کتب حدیث کی تفصیلات عنایت فرمادیں۔

یا اگر محافظ خانہ کے ریکارڈ میں مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے اساتذہ مفصلاً لکھے ہوئے ہوں تو وہ تفصیل عنایت فرمادی جائے۔ امید ہے جناب حسب سابق شفقت فرمائیں گے۔

محتاج دعا

محمد معاذ لاہوری عفی عنہ

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور پاکستان

اس عرضی کا جواب یہ آیا:

حضرت والا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منسلکہ درخواست میں مطلوبہ معلومات کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے دورۂ حدیث شریف کی کتب درج ذیل سالوں میں پڑھیں ہیں:

1296ھ: شمائل ترمذی 1297ھ: ترمذی شریف 1298ھ: مسلم شریف

1299ھ: بخاری شریف، ابن ماجہ شریف، موطا امام محمد، ابوداؤد شریف، موطا امام مالک، نسائی شریف

نوٹ: مذکورہ سنین کے اسباق کی تفصیلات دستیاب نہیں؛ البتہ روداد دارالعلوم 1295ھ میں اساتذۂ کرام کے اسباق کی تفصیلات درج ہیں، اس کا عکس ہمرشتہ ہے۔

والسلام

عبدالسلام قاسمی

محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

2 جمادی الاولی 1444ھ

27 نومبر 2022ء

ان مضبوط وضاحتوں کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آپ نے کتب حدیث درج ذیل اساتذہ سے پڑھیں:

صحیح بخاری: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

(روداد دارالعلوم دیوبند 1295ھ ص:2)

صحیح مسلم: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی

(روداد دارالعلوم دیوبند 1295ھ ص:2)

جامع ترمذی، شمائل: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (ماخوذ از احد عشر کوکبا)

سنن ابی داؤد: حضرت ملا محمود دیوبندی

1295ھ اور 1299ھ کی رودادوں میں سنن ابی داؤد ملا محمود دیوبندی ہی کے پاس لکھی ہے۔

موطا امام مالک: حضرت ملا محمود دیوبندی

موطا امام محمد: حضرت ملا محمود دیوبندی

(1295ھ اور 1299ھ کی رودادوں میں موطا امام مالک و موطا امام محمد ملا محمود دیوبندی ہی کے پاس لکھی ہے)

سنن نسائی: حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی

سنن ابن ماجہ: حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی

(ندائے شاہی، شاہی نمبر ص 306 پر روداد دارالعلوم دیوبند کے حوالے سے نقل ہے:

حضرت شیخ الہند کی (حج سے) واپسی کے بعد آپ (مولانا عبدالعلی میرٹھی) کو مدرس پنجم بنایا گیا اوراس عہدہ پر جُمادی الاخری 1298ھ تک فائز رہ کر نسائی شریف، ابن ماجہ شریف وغیرہ کا درس دیا۔ ملخص روداد: 1294ھ تا 1298ھ)

مشکوٰۃ شریف: شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

(حیات شیخ الہند ص 22 پر مرقوم ہے: 1293ھ میں آپ مشکوٰۃ شریف پڑھاتے تھے)

اس تمام تفصیل کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کتابوں میں اس سند کو بیان کیا جائے جو اصل قرارتی سند ہے؛ تاکہ حق دار کو اس کا حق مل سکے۔



تذکرہ علّامہ غلام نبی کاموِیؒ

حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ کشمیریؒ کے مایہ ناز شاگرد اور محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے رفیقِ خاص

(۱/۲)

از: جمیل احمد بن مولانا برہان احمد
استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن، ورفیق مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کراچی

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے فیضانِ نظر اور علمی لیاقت نے برصغیر ہندوستان سمیت ایشیا کے کئی ملکوں میں ضیا پاشی کی، آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کے بعد دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں لمبے عرصے تک تفسیر حدیث اور فقہ سمیت منقولات اور معقولات کی تدریس کی، اس دوران جہاں آپ نے تصنیف اور تالیف کے میدان میں۔(۱) الإتحاف لمذهب الأحناف،(۲)التصريح بما تواتر في نزول المسيح،(۳)إكفار الملحدين،(۴)حاشیہ برسنن ابوداؤد، اور(۵)حاشیہ بر مستدرک حاکم سمیت دسیوں علمی اور تحقیقی کتب اور رسائل تالیف ومرتب کیے، وہیں آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد بدر عالم میرٹھی، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مولانا احمد رضا بجنوریؒ اور محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ، جیسے نابغۂ روزگاروں پر مشتمل ہزاروں شاگردوں کی عظیم جماعت بھی تیار کی۔

برصغیر پاک وہند میں خدمات انجام دینے والے آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد سے دنیا واقف ہے؛ البتہ وسطی ایشیا، افغانستان اور روس سے ملحقہ اُس وقت کی ریاستوں میں موجود آپ کے بعض شاگردوں کا تعارف ہنوز نہ ہوسکا ہے، ذیل کے مضمون میں افغانستان کے لالہ زار علاقہ ننگرہار سے وابستہ آپ کے شاگردِ رشید اور علمی دنیا کے جیّد اور روشن ستارے علامہ غلام نبی کاموِیؒ کا تعارف پیش خدمت ہے، آپ کا شمار حضرت کشمیریؒ کے چنیدہ لائق اور فائق شاگردوں میں ہوتا ہے، افغانستان کے طول وعرض میں آپ کی علمی خدمات کی بڑی گونج ہے؛ البتہ ہند اور پاکستان کے تذکرہ نگاروں سے نہ معلوم ان کی شخصیت کیوں پوشیدہ رہ گئی؟ چنانچہ علمائے برصغیر میں ان کی خدمات کا اعتراف بجز

محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے ہمیں کہیں نہ مل سکا۔

علامہ غلام نبی کاموی ؒ اوران کا مولد وآبائی مسکن

آپ کی پیدائش امارتِ اسلامی افغانستان کے مشرقی صوبہ ننگرہار کے ایک بڑے اورمشہور ضلع کامہ کے ایک قریہ سنگر سرائے میں ہوئی، اسی نسبت سے آپ کو کاموی کہا جاتا ہے، پشاور سے براہِ طورخم تین گھنٹہ کی مسافت پر واقع یہ ضلع ایک لالہ زار خوبصورت اور سرسبز وشاداب علاقہ ہے، اس کے قریبی مشہور علاقوں میں جلال آباد خاص طور پر قابل ذکر ہے، گاؤں سنگر سرائے ضلع کامہ جلال آباد سے ۴۵ منٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔

علامہ غلام نبی کامویؒ کی پیدائش ضلع کامہ کے ایک گاؤں سنگر سرائے میں ہجری سن کے اعتبار سے ۱۳۱۲ ہ بمطابق ۱۸۹۵ م کو ہوئی، مولوی محمد ہاشم کاموال اور حضرت علامہ غلام نبیؒ کے پوتے ڈاکٹر عبدالملک کاموی نے اپنے مضامین میں ان کی یہی تاریخ پیدائش لکھی ہے۔[1]

آپ کے والد محترم ملا شیخ محمد حسینؒ کی شہرت ایک نامور عالم فاضل متدین بزرگ، اور خدا ترس زاہد انسان کے طور پر تھی، سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ مجاہد کبیر حضرت شیخ نجم الدین آخوندزادہ ہڈی ملا صاحب (ت: ۱۳۱۹ھ، ق، بمطابق ۱۹۰۱م)[2] سے آپ کا بیعت اور اصلاح کا تعلق رہا، ان کی سرپرستی اور مشارکت میں آپ نے انگریز اور برطانوی استعمار کے خلاف جہادِ افغان میں بھرپور حصہ لیا۔

آپ کے تین بھائی اور ایک بہن تھی، علم اور شرافت میں آپ کا خاندان ممتاز تھا، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: غلام نبیؒ بن ملا شیخ محمد حسینؒ بن ملا صاحب گل بن محمد عمرؒ۔

آپ کی رسمِ بسم اللہ حضرت شیخ نجم الدین آخوندزادہ ہڈی ملا صاحب نے کی، نیک اور علمی ماحول کے بدولت آپ کا صغرسنی ہی میں کتاب، قلم اور مسجد سے تعلق قائم ہوگیا تھا؛ چنانچہ کھیل کود سے آپ کا طبعی لگاؤ نہ تھا، آپ نے ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی؛ چنانچہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بالخصوص اہتمام رہا۔

حضرت شیخ مولانا نجم الدین ہڈی ملا صاحبؒ کی دعا کا اثر

افغان روایت اور رواج کے مطابق بچوں کی تعلیمی زندگی کے آغاز سے قبل کسی صاحب طریقت وعرفان کی خدمت میں پیش کر کے دعا لینے کی اچھی روایت رہی ہے، والد محترم نے اپنے شیخ مجاہد کبیر مولانا نجم الدین آخوندزادہ صاحب سے ان کے حق میں بطور خاص دعا کرائی؛ چنانچہ اس کی مختصر روئداد لکھتے ہوئے محترم خلیل زی رقم طراز ہے:

ایک دن بعد نماز جمعہ حضرت والدمحترم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت نجم الدین ہڈی ملا صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور بطورِ خاص ان کے مقبول عالم دین ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی، انھوں نے دعا فرمائی، ان کے حجرہ سے رخصت ہونے کے بعد واپسی میں کافی راستہ طے کرنے کے بعد درمیان راستہ میں والدمحترم نے دوبارہ اِن کے حجرہ کی راہ لی اور خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر عرض کیا، حضرت دوبارہ دعا فرمائیں؛ چنانچہ انھوں نے دوبارہ دعا فرمائی اور رخصت ہوگئے، کافی راستہ طے کرنے کے بعد والد صاحب کے دل میں سہ بارہ دعا کی درخواست کا اشتیاق پیدا ہوا؛ چنانچہ نصف راستہ سے دوبارہ واپس ہوئے اور عرض کیا حضرت خصوصی دعا فرمائیں؛ چنانچہ وہ مسکرائے اور فرمایا مولوی حسین!!اللہ تعالیٰ آپ کے بچے کو اپنے علم میں سے بہت کچھ عطا کرے!

علامہ کامویؒ فرماتے ہیں کہ بچپن میں سنے ہوئے ان کی دعا کے یہ الفاظ آج بھی کانوں میں رَس گُھولتے ہیں۔(۳)

چنانچہ اس کامل مرشد کی دعا کا یہ اثر تھا کہ آپ کو جلیل القدر اساتذہ مُیسَّر ہوئے، دیارِ افغان اور ہند کے نامور اداروں میں علم کی تحصیل کی توفیق ہوئی اور نہایت محنت عزیمت اور بیداری کے ساتھ علوم آلیہ وعالیہ کی تکمیل کی۔

تعلیمی زندگی

آپ کی تعلیمی زندگی کو ہم دو ادوار پر تقسیم کرسکتے ہیں:

۱- وطن مالوف افغانستان میں حصول علم کا زمانہ۔

۲- ہندوستان میں تعلّم کا زمانہ۔

آپ نے علوم آلیہ کی قریباً نصف تعلیم افغانستان میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان کی طرف عازم ہوئے، اور وہاں بھوپال، دہلی اور پھر دیوبند کے مدارس میں رہ کر علوم آلیہ کی تکمیل کی؛ البتہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم خصوصی طور پر آپ نے دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی، اس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

افغانستان میں علوم آلیہ صرف ونحو منطق وفلسفہ وغیرہ کی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم والدمحترم ملا محمد حسین سے حاصل کی(۴)، والد سے ان کی تعلیم کی حدود کیا تھی، اس بارے میں ہمیں معلومات نہ مل سکیں، اندازاً یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے اعتبار سے عربی ادب، صرف ونحو، مبادی فقہ، اور پشتو ادب کی کچھ کتب کی تحصیل انھوں نے والدمحترم سے کی، غالبًا یہ تعلیم گھر میں یا گھر کے قریب کسی مسجد میں ہوئی ہوگی، بعدازاں علوم آلیہ کی تحصیل کے لیے آپ

نے رحلات کیے اور افغانستان کے مختلف مدارس میں نہایت محنت اور دِقّت سے آپ نے ان علوم کی تحصیل کی، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں آتی ہے۔

والدمحترم سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے افغانستان ہی میں علوم آلیہ کی تعلیم حاصل کی؛ چنانچہ والدمحترم کے علاوہ آپ نے درج ذیل اساتذہ سے بھی استفادہ کیا:

۱-مولانا محمد ابراہیم کاموی۔

۲-مولانا ملامحمد مسکینؒ۔

ان دوحضرات سے آپ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتب پڑھی۔

۳-قاضی القضاۃ علامہ عبدالقدیر صدیقی لغمانیؒ: ان سے آپ نے نحو کی منتہا درجہ کی کتب مثلا شرح جامی وغیرہ پڑھی، علامہ عبدالقدیر لغمانیؒ افغانستان بھر میں نحو صرف منطق اور فلسفہ کے امام متصوّر کیے جاتے تھے، حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی آپ سے کابل میں ملاجلال پڑھی(۵)، بعد میں علامہ عبدالقدیر لغمانیؒ افغانستان کے صوبہ ننگرہار کے ضلع جلال آباد میں محکمۂ شرعیہ کے قاضی مرافعہ مقرر ہوئے، غالباً علامہ غلام نبیؒ نے بھی علامہ عبدالقدیرؒ سے کابل میں استفادہ کیا۔

۴-علاقہ مزینی کے ایک عالم المعروف بہ لوی ملاصاحبؒ سے آپ نے منطق کی کچھ کتابیں پڑھی۔

۵-علامہ میاں عبدالعلی صاحب قیلغو المعروف بہ لوی میاں صاحبؒ سے آپ نے منطق کی کتابیں مثلِ میرزاہد، ملاجلال، قطبی، فیروزبا، وغیرہ پڑھی۔(۶)

۶-مولانا میرعلم کا پیسابیؒ: ان سے مولانا نے دارالعلوم کابل میں کچھ کتابیں پڑھیں۔(۷)

افغانستان میں آپ کی تعلیم کا دورانیہ کتنا تھا؟ اس کی تاریخ اور زیادہ تفصیل وغیرہ معلوم نہ ہوسکی، خاندانی روایت کے مطابق آپ نے ۱۳۳۱ھ سے لے کر ۱۳۳۹ھ تک کا زمانہ دیوبند میں گزارا، اس طرح گویا ۱۳۳۰ھ سے قبل کا عرصہ آپ نے افغانستان دہلی اور بھوپال وغیرہ میں گزارا، اور علوم آلیہ سمیت علوم عالیہ کی تحصیل کی۔

ہند کی طرف رحلت اور بھوپال ودہلی میں تعلیم کا زمانہ

علاقہ کے علماء سے مروجہ علوم وفنون میں اپنی پیاس بجھانے کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر کیا، تاریخی دستاویزات سے آپ کے ابتدائی اسفار کی تفصیلات نہ مل سکیں؛ البتہ خاندانی روایت کے مطابق اتنا معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی آمد کا زمانہ ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳م ہے اور اس سے قبل آپ نے بھوپال اور دہلی میں علوم آلیہ کی تحصیل کی، اس اعتبار سے گویا ۱۹۱۲م سے پہلے کے دوتین سال کا عرصہ آپ نے بھوپال اور فتح پور دہلی وغیرہ میں گزارا۔

ہندوستان میں آپ کی تعلیم کی مدت تقریباًدس سال پر محیط رہی، عیسوی اعتبار سے یہ زمانہ ۱۹۱۰م سے ۱۹۱۹ میلادی بنتا ہے، شورش اور پر آشوب حالات پر مشتمل اس زمانہ میں ہندوستان کی باگ ڈور مکمل طور پر برطانوی استعمار اوران کے گماشتوں کے ہاتھ میں تھی؛ البتہ بھوپال کسی قدر اس تسلط سے محفوظ تھا، یہی وہ زمانہ تھا کہ جس میں مسلمانوں کی عظیم سلطنت عثمانیہ بکھر کر تین حصوں میں منتشر ہوگئی، ترک اوران کے حلیف جرمنی کی شکست در شکست سے مسلمانانِ ہند کے حوصلے اورحواس باختہ ہو چکے تھے، دوسری طرف اسی عرصہ میں آزادیِ ہند میں مسلم قومیت کی حقیقی قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ برطانوی استعمار پر آخری وار کرنے کی غرض سے تحریک ریشمی رومال کا سہارا لے کر عرب میں موجود پاشاؤں کے پاس گئے، قریب تھا کہ یہ تحریک مقبول ہوتی اور انگریزی سلطنت کے خلاف ایک نیا محاذ گرم ہوتا، شریفِ مکہ کی دین بیزاری نے اس تحریک کو جزیرۂ عرب میں غرقاب کر کے سن ۱۹۱۹م شیخ الہند اوران کے رفقا کو جزیرہ انڈیمان اور مالٹا کی یخ بستہ قید میں لا گرفتار کیا، یوں مسلمانانِ ہند ایک حقیقی اور بے باک لیڈر سے محروم ہوگئے، ان تمام حالات کے باوجود دارالعلوم دیوبند نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور کسی طور پر ہند میں علم وعرفان کو زوال نہ ہونے دیا، ان گوناگو حالات میں علامہ غلام نبیؒ نے فتح پور دہلی، بھوپال اور دیوبند سے دینی علوم کی تحصیل کی اور بھرپور طریقے سے کی۔

بھوپال میں تعلیم

بھوپال میں آپ نے کس ادارے اور کن اساتذہ فن سے کن علوم کی تحصیل کی، اس کی تفصیل ہمیں نہ مل سکی؛ البتہ ایک استاذ ملا دہبابی صاحب کا صرف نام ملتا ہے، غالب خیال یہی ہے کہ آپ نے مشہور افغانی سردار نواب آف بھوپال سردار دوست محمد خان کے قائم کردہ دینی مدرسہ وقفیَّہ میں تعلیم حاصل کی، نیز اس زمانہ میں ریاست بھوپال میں دینی تعلیم کا مشہور مدرسہ صرف یہی مدرسہ وقفیہ تھا، بعد میں چل کر یہی جامعہ احمدیہ بھوپال کے نام سے موسوم ہوا۔(۸)

۱۹۴۶م میں جب مولانا سید سلیمان ندویؒ اس مدرسہ کے مدیر مقرر ہوئے، انھوں نے حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو بھی تدریس اور تالیف کی غرض سے مدعو کیا؛ لیکن حضرت جو اس وقت مجلس علمی ڈابھیل سے وابستہ تھے، جانے پر تیار نہ ہوئے۔(۹)

بعد ازاں سن ۱۹۴۷م کی تقسیم اور تحلیل کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اپنے اختتام کو پہونچا اور ہندی حکومت نے اس کو بحقِ سرکار ضبط کیا، مولانا سلیمان ندویؒ نے بھی پاکستان ہجرت کی۔

دِہلی میں تعلیم

دِہلی میں آپ کی تعلیم وتعلّم سے متعلق بھی زیادہ معلومات نہ مل سکی،صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ فتح پور دہلی (غالباً مراد قدیم مدرسہ عالیہ فتح پور ہے) میں آپ نے مولانا رحمدل خان قندہاریؒ اور مولانا تاج الدین المعروف بہ کابلی ملا سے منطق وفلسفہ کی منتہا درجہ کی کتابیں پڑھیں،جن میں شرح المطالع، الافق المبین،صدرا،الشمس البازغۃ،میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ،شرح اشارات، وغیرہ پڑھی، نیز اس دوران آپ نے حساب ریاضی اور ہیئت وغیرہ کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔(۱۰)

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم اور پھر تدریس

دہلی اور بھوپال میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کی طرف عازم سفر ہوئے، یہ ۱۹۱۳ام کا زمانہ تھا، دیوبند کی فضا میں حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسن دیوبندی، مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی وروحانی برکات کا عظیم سلسلہ قائم تھا،۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۵ام کو شیخ الہند مولانا محمودحسن نے حجاز کا مقدس سفر کیا، وہاں گرفتاری کا واقعہ پیش آیا، یوں ان کی دیوبند سے جدائیگی ہوئی اور چندسال تک قیدوبند کی صعوبتوں میں رہے۔

اس دوران آپ نے جن حضرات سے استفادہ کیا،ان میں شیخ الہند اور علامہ کشمیریؒ کے علاوہ حضرت علامہ شبیراحمد عثمانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں آپ کی تعلیمی مدت (۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۱۲ام تا ۱۹۲۱ام) ۹ سال کے طویل عرصہ پر محیط ہیں، بعد از فراغت ۱۳۳۹ھ تا ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۱ تا ۱۹۲۵ام آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک مایہ ناز مدرّس کے طور پر خدمات انجام دی، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں آتی ہیں:

نوسال کے عرصۂ تعلیم میں آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیراحمد عثمانیؒ سے علوم عالیہ مثل تفسیر،فقہ اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی،تفسیر اور حدیث میں خصوصی طور پر آپ نے حضرت شیخ الہند اور اور علامہ شبیراحمد عثمانیؒ سے استفادہ کیا،اسی وجہ سے ''ظاہر شاہ'' کے دورِ حکومت میں جب افغانستان میں تفسیر شیخ الہند المعروف بہ تفسیر عثمانی کی پشتو اور درّی زبان میں ترجمہ کی حاجت ہوئی،تو تمام علماء کی نظرِ انتخاب آپ ہی پر پڑی، آپ نے ۱۳۶۸ھ بمطابق ۱۹۴۹ام میں علماء کی ایک جماعت کی معیت میں اس کا شاندار اور تحقیقی ترجمہ کیا، جو تفسیر کابلی(۱۱) کے نام سے معروف ہے۔

علوم الحدیث خاص طور پر صحاح ستہ کی تعلیم آپ نے علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ سے حاصل کی،

علامہ کشمیریؒ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اورصدر المدرسین تھے[۱۲] یہی وہ زمانہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ پشاور سے قصد کرکے دیوبند پہنچے؛ چنانچہ جس وقت آپ دارالعلوم دیوبند میں استاذ اور مدرس تھے، اس عرصہ میں حضرت بنوریؒ وسطانی صفوف میں علوم آلیہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کررہے تھے؛ چنانچہ حضرت بنوریؒ سے آپ کی شناسائی طالب علمی کے دور سے رہی اور آخری وقت تک دونوں حضرات میں نہایت گرم جوشانہ بے تکلف اور علمی تعلق رہا، حضرت بنوریؒ آپ کے علم وفضل کے معترف تھے۔

یاد رہے کہ حضرت بنوریؒ کی تاریخ پیدائش ۱۹۰۸م جب کہ مولانا غلام نبی کامویؒ کی تاریخ پیدائش ۱۸۹۵م ہے، اس اعتبار سے آپ حضرت بنوریؒ سے تقریباً بارہ سال عمر میں بڑے تھے، ہردو حضرات کے علمی تعلق اور باہمی الفت ومحبت کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

افغانستان، بُھوپال، دہلی وغیرہ میں کئی برس تک علوم آلیہ میں مغز پچی کرنے کے بعد نو سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر نہایت محنت اور کدوکاوش کے ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں مہارت حاصل کی، اِس دوران آپ نے اپنی لیاقت کا لوہا منوایا، اپنے رفقا درس میں ہمیشہ آپ ممتاز رہے، دِیُوبند میں آپ کا شمار حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے خاص الخاص شاگردوں میں رَہا۔

سن ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۲۱م میں آپ نے حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ سے صحاح ستہ کی اکثر کتب میں شہادت فراغ حاصل کی، اسی سال آپ کا دارالعلوم دیوبند میں بطور مدرس تقرر ہوا، پانچ سال تک آپ نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ چھوٹی بڑی کئی کتابوں کی تدریس کی، آپ کی علمی لیاقت اور قابلیت اور حدیث شریف میں کثرتِ مطالعہ کو دیکھتے ہوئے، حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے آپ کو اپنا ''معاون مدرس'' مقرر کیا؛ چنانچہ کئی دفعہ ان کی غیابت میں آپ نے صحیح البخاری کا درس بھی دیا، ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۵م تک آپ دارالعلوم دیوبند میں مدرس کے طور پر رہے، ۱۹۲۵م میں آپ وطن جلال آباد لوٹ آئے۔[۱۳]

آپ کے زمانۂ تعلیم اور تدریس کے تفصیلی حالات ہمیں نہ مل سکے؛ البتہ تاریخی گوشواروں میں موجود بعض اکابر دیوبند کے تاثرات اور آپ سے متعلق ان کے علمی تبصرے ضرور موجود ہیں، جو آپ کی علمی لیاقت، دانشمندی اور فنِ تدریس میں کامل مہارت کا پتہ دیتی ہیں، ذیل میں بعض اکابر کے تاثُّرات پیشِ خدمت ہیں:

علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ کے تاثرات

علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کو مخاطب

کرتے ہوئے فرمایا: این ملا کابلی مجتہد عصر است۔ ایک استاذ کی اپنے شاگرد سے متعلق اس قدر وقیع گواہی بھرپور معنی رکھتی ہے، اور اس وقت اس کی قوت اور ثقاہت میں اضافہ ہوجاتا ہے، جب مخاطب شیخ الہند جیسا عظیم استاذ ہو۔(۱۴)

آپ کے رفیق اور معاصر دوست حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کا تاثُّر ومشاہدۃ

حضرت بنوریؒ کے بقول حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے سفر ومصروفیت کی صورت میں حضرت مولانا غلام نبی کاموئیؒ دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔(۱۵)

اور غالباً اس امر کا مشاہدہ حضرت بنوریؒ نے اپنے طالب علمی میں کیا ہوگا؛ کیونکہ جس وقت مولانا غلام نبیؒ دیوبند میں مدرس تھے، ٹھیک اسی عرصہ میں حضرت بنوریؒ دارالعلوم دیوبند میں وسطانی درجات کے طالب علم تھے، پھر ظاہر ہے حضرت علامہ کشمیریؒ کے اعتماد اور استناد کے بغیر ان کے عظیم منصب پر بیٹھ کر درس حدیث دینا ممکن نہ تھا، اس مذکورہ مشاہدہ سے حضرت کشمیریؒ کے گذشتہ قول کی بھی تایید ہوتی ہے۔

مصری عالم استاذ الشیخ عبدالعال عطوہؒ کی گواہی

دارالعلوم عربی کابل میں جامعہ ازہر مصر کی طرف سے مبعوث مشہور مصری استاذ الشیخ عبدالعال عطوہ نے ایک مجلس محاضرہ میں حضرت مولانا غلام نبی کاموئیؒ کے علم وفضل کی گواہی ان الفاظ میں دی:

صاحب الفضیلة إنکم حقًا لَفَقِیهٌ۔(۱۶)

ان مذکورہ اقوال وتاثرات سے آپ کے علمی منصب، لیاقت، خداد صلاحیت اور استعداد کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وطن مالوف واپسی اور دینی وعلمی خدمات

۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کو آپ اپنے آبائی مسکن ووطن واپس لوٹ آئے، کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد آپ نے صوبہ سرحد موجود خیبر پختونخواہ کا رخ کیا اور پشاور سمیت خیبر پختونخواہ کے مشرقی علاقوں مثلاً مسجد طرہ قل بابے پشاور(۱۷)، دتوسی، اور ڈمگرو (غالباً ڈبگری مراہ ہے) وغیرہ میں تقریباً ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۳۷ء تک 12 سال تدریسی خدمات انجام دی، اس دوران آپ کے سیکڑوں شاگرد ہوئے، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ نے بھی اس عرصہ میں آپ سے استفادہ کیا، اسی زمانہ میں (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۴ء) حضرت بنوریؒ نے بھی پشاور کے دو مدرسوں: (۱) مدرسہ تعلیم القرآن یکہ توت اور (۲) مدرسہ رفیع الاسلام بہانہ ماڑی میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔

بعد ازاں آپ افغانستان لوٹ آئے اور دارالعلوم عربی کابل میں بحیثیت استاذ کبیر آپ کی

تقرری عمل میں آئی اور یوں علوم کشمیری کا فیض ہندوستان سے افغانستان منتقل ہوا، دارالعلوم عربی کا شمار اس وقت کے افغانستان کے نامور اور ممتاز دینی اداروں میں ہوتا تھا، غالباً حضرت علامہ بنوریؒ نے بھی علامہ عبدالقدیر لغمانیؒ سے یہی ملا جلال پڑھی۔(۱۸)

دارالعلوم عربی، کابل کا ایک قدیم نیم سرکاری ادارہ تھا، اور اس کا تعارف جامعہ از ہر مصر کے ایک شاخ کے طور پر ہوتا تھا؛ چنانچہ مصری مبعوث اساتذہ کی یہاں ایک معتد بہ جماعت تھی، جو افغانی طلبا، کو عربی ادب اور بلاغت وغیرہ کی تعلیم پر مامور تھی، مولانا غلام نبی کاموئیؒ نے ۱۳۵۶ھ سے لے کر ۱۳۷۴ھ تک بمطابق ۱۹۳۷م تا ۱۹۵۴م یہاں رہ کر منطق، فلسفہ، علم الکلام، فقہ حدیث اور تفسیر کا درس دیا اور نہایت مختصر مدت میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، یہاں آپ کا قیام 17 سال پر محیط رہا، اس دوران آپ کابل کے دیگر مدارس سے بھی وابستہ رہے اور عرصۂ دراز تک آپ نے بطور شیخ الحدیث حدیث کی مختلف کتابوں کا درس بھی دیا، نیز اسی عرصہ میں سرکاری طور پر آپ کو ریڈیو افغانستان پر درس اور موعظت، اور علمی تقریروں کے لیے بطور مبصر مقرر کیا گیا اور سالہا سال تک آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔(۱۹)

صحیح بخاری کی تدریس میں بطور خاص آپ نے اس بات کا اہتمام کیا کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری، علامہ عینیؒ کی عمدۃ القاری، اور علامہ قسطلانیؒ کی ارشاد الساری سے احکام الحدیث، اور تخریج الحدیث کے مباحث کا لب لباب طلبہ کے سامنے بیان کرتے؛ البتہ ترجیحِ راجح اور استنباط مسائل میں ان کا منفرد خاص ذوق تھا؛ چنانچہ آپ کے درس میں طلبہ حنفی مذہب کی تائید میں اس خاص ذوق کو بھرپور ملاحظہ کرتے تھیں۔

جس وقت مولانا افغانستان آئے اور کابل کے دارلعلوم عربی میں بڑی کتابوں کے مدرس مقرر ہوئے، اس دورانیہ میں وزارت تعلیم کی بڑی شخصیات کے ساتھ علمی اجتماعی اجلاسوں میں شرکت کرنے کا موقع ملا، ریاست نے آپ کی لیاقت اور قابلیت کے بل بوتے پر آپ کو وزارت تعلیم کے شوری کا صدر مقرر کیا، اس کے ساتھ ہی وزارت اطلاعات کے شرعی مشاور کی حیثیت سے بھی ان کو اہم وظیفہ سونپا گیا، سال ۱۳۷۵سے ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۹۵۶م تا ۱۹۵۹م تک قندہار کے محکمۂ شرعیہ کے قاضی القضاۃ کے طور پر کام کیا'' بعد ازاں سردار محمد داؤد خان کی حکومت میں اعزازاً آپ دارالحکومت کابل کے محکمۂ شرعیہ کے''قاضی مُرافع'' مقرر ہوئے، ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۷م میں حاکم وقت ظاہر شاہ کے حکم پر تشکیل پانے والے نئے''مجموعۂ قوانینِ اسلامی'' کے مسودہ کی تصحیح اور ترتیب کے لیے آپ کو اس کمیٹی کا خصوصی رکن نامزد کیا گیا، ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰م میں آپ کو''افغان جمہوری

پارلیمان کا سینٹر'' نامزد کیا گیا، نیز اس دوران شاہانِ وقت اور امراء کی آپ پر خصوصی عنایات رہیں، نیز بحیثیت ''قاضی القضاۃ'' اس وقت کے جرگہ نظام میں قول فیصل آپ ہی کا معتبر ہوتا تھا، قضا اور عدلیہ میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے اور آپ نے محکمہ قضا میں قاضیوں کی کئی جماعتوں کی تربیت کی اور انھیں اسلامی قضا کے نشیب وفراز سمجھائے۔[۴۰]

انیسویں صدی عیسوی میں جن شخصیات نے سرزمینِ افغانستان میں لازوال علمی، تحقیقی اور دعوتی، خدمات انجام دی ہیں، آپ ان کے سرخیل شمار ہوتے ہیں، آپ کی خدمات کا دائرہ اور مقبولیت عوام اور خواص میں یکساں رہی، ننگرہار سے لے کر ہرات تک اور غزنی سے لے کر بلخ ودیگر شمالی علاقوں میں آپ کے سیکڑوں شاگردوں نے آپ کے منہج، فکر اور طرز عمل کو اپنا کر دینِ حنیف کی خوب خدمت کی اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

مولانا غلام نبی کاموئیؒ اور محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا باہمی تعلق اور رفاقت

مولانا غلام نبیؒ کی مولانا یوسف بنوریؒ سے رفاقت کی مدت اور باہمی تعلق کا زمانہ کافی قدیم ہے؛ چنانچہ سن ۱۹۲۵م میں جس وقت آپ دارالعلوم دیوبند کے استاذ تھے، اسی عرصہ میں حضرت بنوریؒ یہاں طالب علم تھے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ دیوبند میں حضرت شاہ صاحب کی غیر موجودگی میں صحیح بخاری کی تدریس آپ کے ذمہ تھی اور اس امر کی گواہی حضرت بنوریؒ نے خود دی؛ چنانچہ علامہ کاموئیؒ کے پوتے شیخ قاضی عامر کاموی (فاضل جامعہ ازہر مصر، مقیم حال ترکیا) نے اپنے والد محترم مولانا عبدالعلی کاموئیؒ کے حوالہ سے یہ روایت راقم کو سنائی کہ قیام دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں ہردو حضرات علامہ کشمیریؒ کے ہاں شریک درس بھی رہے، (یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مولانا غلام نبی کاموئیؒ دار العلوم دیوبند کے استاذ اور حضرت بنوریؒ درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے) مولانا غلام نبیؒ چونکہ علامہ کشمیریؒ کے معاون مدرس تھے؛ اس لیے آپ علامہ کشمیریؒ کی موجودگی میں بحیثیت قاری شریک ہوتے اور علامہ کی داہنی طرف تپائی پر آپ کی نشست ہوتی اور آپ صحیح بخاری کی قرأت فرمایا کرتے تھے، حضرت بنوریؒ (درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور ابھی تک انھیں علامہ کشمیریؒ سے براہ راہ راست وباقاعدہ علوم حدیث میں استفادہ کا موقع نہ ملا تھا؛ البتہ اپنی فطانت ذہانت اور شدتِ اشتیاق کی وجہ سے ان کا علامہ کشمیریؒ سے گہرا ربط اور علمی تعلق استوار ہو چکا تھا) بھی موقع ملنے پر درس حدیث میں آ شریک ہوتے اور حضرت مولانا غلام نبی کاموئیؒ کی نشست کے پاس ہی بیٹھ جایا کرتے تھے، یہی وہ زمانہ تھا کہ حضرت بنوریؒ علامہ کشمیریؒ کے مشورہ اور حکم سے حدوثِ عالم پر حضرتؒ کی شاہکار تصنیف ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' کی تخریج میں مصروف تھے۔

قیام کابل کے زمانہ میں جن اساطینِ علم سے مولانا غلام نبی کاموئیؒ نے تعلیم حاصل کی، انھیں میں سے بطور خاص علامہ عبدالقدیر لغمانیؒ سے حضرت بنوریؒ نے بھی تلمذ کیا، جس وقت جلال آباد مولانا غلام نبیؒ کا مسکن تھا، اسی عرصہ میں حضرت بنوریؒ بھی یہاں فروکش رہے۔

ان تمام قرائن کو مدنظر رکھتے ہوئے، یہ بات غالب گمان کے درجہ میں کہی جاسکتی ہیں کہ مولانا غلام نبی کاموئیؒ کا تعارف اور پھر تعلق مولانا بنوریؒ سے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ سے بہت پہلے کابل یا جلال آباد میں ہی ہو چکا تھا؛ البتہ حضرت بنوریؒ کی تحریرات میں ان کے باہمی تعلق سے متعلق جو یاداشتیں ملتی ہیں، وہ سن ۱۹۲۵م کے بعد کے زمانہ پر مشتمل ہیں، اس سے قبل کی باہمی رفاقت سے متعلق کوئی تحریر ہنوز نہ مل سکی، نیز پشاور سمیت خیبر پختونخواہ کے مشرقی علاقوں میں تقریبا ۱۹۲۵م تا ۱۹۳۷م تک مولانا غلام نبی کاموئیؒ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اسی زمانہ میں (۱۹۳۰م تا ۱۹۳۴م) حضرت بنوریؒ نے بھی پشاور کے دو مدرسوں؛ مدرسہ تعلیم القرآن یکہ توت اور مدرسہ رفیع الاسلام بہانہ ماڑی میں تدریسی فریضہ انجام دیا، نیز اس دوران حضرت بنوریؒ نے جمعیت علماء سرحد کے صدر کے طور پر بھی دو سال کام کیا؛ لہٰذا دونوں کی باہمی ملاقاتیں، ایک دوسرے کے پاس آمد ورفت کا زیادہ سلسلہ بھی پشاور ہی میں رہا۔

(باقی آئندہ)

* * *

حواشی

(۱) دیکھئے: شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:5وص:41)، باہتمام: ڈاکٹر عبدالملک کاموی، ط: انتشارات نعمانی، کابل۔

(۲) آپ کا پورا نام نجم الدین آخوندزادہ ہیں، حضرت ہڈی ملا صاحب سے شہرت رکھتے ہیں، آپ کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی، آبائی تعلق افغانستان کے مشہور صوبہ غزنی کے مضافتی علاقہ شیلگر ہجویر سے ہے، ابتدائی تعلیم کابل اور غزنی وغیرہ میں حاصل کی، آپ کا خاندان علم وفضل کا حامل کا رہا ہے، تحصیل علم کے بعد آپ نے صوبہ ننگرہار کے ضلع جلال آباد کے ہڈا نامی بستی میں سکونت اختیار کی، اس وجہ سے آپ کو ہڈے ملا کہا جاتا ہے، آپ نے صوبہ سرحد کے ضلع سوات میں سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ عالم دین اور مجاہد مولانا سید عبدالغفور آخوندؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور طویل عرصے تک ان کی راہنمائی میں ارشاد وصلاح لیتے رہے، ان کی سرکردگی اور امامت میں انگریز کے خلاف جہاد بالسیف بھی کیا، اور داد شجاعت پائی، آپ کے خلفا میں حاجی صاحب ترنگزئی، اور مولانا شیخ ولی احمد المعروف بہ سنڈاکی بابا مشہور ہے، آپ کا شمار سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ کی وفات 1319ھ بمطابق 1901م کو ہوئی۔ مزید تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: تذکرہ صوفیائے سرحد، ۔مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی ۔ (ص:575)، ط: مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ تاریخ اولیا۔ ابوالاسفار علی محمد بلخی۔ (ص:212)، نورانی کتب خانہ پشاور۔

(۳) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:23)، مضمون نگار: خلیل زی۔

(۴) شخصیت ومیراث علاّمہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:7)، مضمون نگار: ڈاکٹر عبدالملک کاموی۔

(۵) ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیاد حضرت بنوریؒ، سن 1398ھ بمطابق 1978م (ص:24)، مضمون: مولانا لطف اللہ پشاوریؒ۔

(۶) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:42)، مضمون نگار: مولوی محمد ہاشم کاموال۔

(۷) ایضاً: (ص:43)۔

(۸) سہ ماہی فکر وآگہی دہلی۔ بھوپال نمبر۔ مقالہ نگار: مفتی جنید صدیقی، (ص:476-481)

(۹) حضرت بنوری نایاب مضامین، خاکوں، اور یادداشتوں کا مجموعہ، مرتبہ مولانا محمد عمر نور بدخشانی، (ص:120-121)، مضمون نگار: مولانا سید سیاح الدین کاکاخیلوی، ط: زمزم پبلشرز کراچی، 1432ھ۔

(۱۰) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:42)، مضمون نگار: مولوی محمد ہاشم کاموال۔

(۱۱) تین جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر فارسی اور دری زبان میں لکھی گئی ہے، افغانستان، ایران، اور پاکستان سے سالانہ یہ کئی دفعہ چھپتی ہے، اب تک اس کے دسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۱۲) یاد رہے کہ 1929م تک آپ اس منصب جلیل پر فائز رہے، 1929م میں آپ نے گجرات کی طرف رحلت کی، اور دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل کے نام سے ایک قدآور مدرسہ کو آباد کیا، 1930م میں اپنے آبائی وطن کشمیر جنت نظیر کا طویل سفر کیا، 1931 میں واپس ڈابھیل آئے، 1933 میں آپ کا انتقال ہوا، تدفین دارالعلوم دیوبند کے قریب ''مزارانوری'' میں ہوئی۔ تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: نفحة العنبر فی حیاة الشیخ محمد نور ۔مؤلفہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ۔

(۱۳) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:42)، مضمون نگار: مولوی محمد ہاشم کاموال۔

(۱۴) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:1)، مضمون نگار: ڈاکٹر عبدالملک کاموئیؒ۔

(۱۵) ایضاً۔

(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور کے عقب میں موجود اس مسجد اور مدرسہ کی بنیاد تین دہائی قبل بخارا (تاجکستان) کے ایک نیک دل تاجر نے رکھی، کسی زمانہ میں یہاں ایک شاندار دارالعلوم ہوا کرتا تھا، گزشتہ 25 سال سے یہاں قوت سماعت سے محروم افراد (نابیناؤں) کو قرآن حفظ قرآن کرانے کی غرض سے مدرسہ حفظ القرآن کے نام سے ایک مکتب قائم ہے، اور اب تک تقریباً دو ہزار نابینا طلبہ حافظ قرآن بن چکے ہیں، یہ مملکت پاکستان کا واحد مدرسہ ہے، جہاں معلم اور متعلّم دونوں نابینا ہیں۔

(۱۸) ماہنامہ بینات، اشاعت خاص بیاد حضرت بنوریؒ (ص:9)، مضمون نگار: مولانا محمد یوسف بنوریؒ، خودنوشت۔

(۱۹) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:45-47)، مضمون نگار: مولوی محمد ہاشم کاموال۔

(۲۰) شخصیت ومیراث علامہ مولوی غلام نبی کاموئیؒ (ص:45-47)، مضمون نگار: مولوی محمد ہاشم کاموال۔

❊ ❊ ❊